
اک جگنو
ہے بند مٹھی میں
فائزہ افتخار
PDFBOOKSFREE.PK



ایئر پورٹ پہ پھوپھی اماں اور موتی کے درمیان ہونے والا جذباتی منظر اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پچھلے چند روز سے زبردست کوفت اور جھنجلاہٹ کے زیر اثر تھا اور ان کے طویل و دردناک ٹریجک سین نے اس میں خاصا خواہ اضافہ کیا تھا۔

"امی آپ کیا آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہیں۔ الگ کیجیے اس بے وقوف لڑکی کو پھوپھی اماں سے فضول تماشا لگا رکھا ہے۔"

جھلایا ہوا تو پہلے ہی سے تھا' یہ دیکھ کر اور سنا کر بجائے ان دونوں کو خاموش کرانے کے سب ہی جمع ہو جانے والی نظروں سے یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے امی نے تو گویا اس کی ہدایت پہ عمل کرنا تھا صدف سے سرخ ہوتا چہرے لے آگے بڑھی اور تقریباً کھینچ

فائزہ افتخار



موتی کو اپنی امی سے الگ کرنے لگی' احتجاجاً موتی زور سے چلانے لگی۔

"پھپی! مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔ میں آپ کے بغیر۔"

فضول ضد مت کرو موتی اتنا سمجھا کے تھی میں تمہیں۔ صدف زچ ہو گئی۔

"صدف بیٹی! اسے یوں تو مت ڈانٹو۔ پہلے ہی بے حال ہو رہی ہے۔ بس میری جان! میں کیا کروں لے جاؤں تجھے۔ بس میری بچی دعا کرنا تیری پھپی جلد ہی آؤں" ممانی خیر خیریت سے یہ فریضہ ادا کر کے لوٹیں۔"



پھوپھی اماں نے اسے پچکارا اور ساتھ ہی اپنی بہوؤں' بیٹیوں اور اکلوتے فرزند کو ہدایات جاری کرنے لگیں۔

"عمرہ تو اور سے تیسرے دن چکر لگا لیا کرنا یوں تو صدف ماشاء اللہ بڑی سمجھ دار ہے مگر تم بڑی ہو ان کا خیال ضرور رکھنا۔ عاطف کا بھی دھیان رکھنا گھر بیٹھ بلا اٹھا کے وہ دو دن کے لیے غائب نہ ہو جائے کیس اور بلا۔ سروری بڑی ہے' بیٹو' پپو اور گڑیا کا خاص خیال رکھنا۔"

ان کی بڑی صاحبزادی گود میں کسمساتی گڑیا کو ہلکے ہلکے تھپکتے حسب عادت سر ہلا کر ماں کو تسلی دینے لگیں اور ہمیشہ کی طرح ان کے مشفقی انداز میں سر ہلانے پہ پھوپھی اماں غیر مطمئن ہی رہیں لیکن وقت کی کمی کے پیش نظر دوبارہ اپنا ہدایت نامہ نشر کرنے کے بجائے دوسری بیٹی کو فیض یاب کرنے لگیں۔

"صدف! میری جان' بھائی کا دھیان رکھنا اور

مکمل ناول

ابراہیم کی بڑی مہربانی کہ وہ اتنے دن تم لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے ہمارے گھر رہے گا۔ اگر عاطف کسی کام کا ہوتا تو میں بچارے ابراہیم کو تکلیف ہی کیوں دیتی بس اب یہ تمہارا کام ہے کہ اسے گھر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا' اس سے روز پوچھ لیا کرنا کہ کیا کھانے کو جی چاہ رہا ہے' یہ نہیں کہ بس اپنی پسند کی دالیں ہی پکا پکا کر دیتی رہا کرو۔"

پھوپھی اماں کل سے کم و بیش دس بار یہ ہدایت اسے دے چکی تھیں اکیلے میں بھی اور سب کے سامنے بھی اور اس وقت ایئر پورٹ پہ ابراہیم کے بالکل سامنے کھڑی صدف نے آخری ایڈیشن کرا بھی شرمندگی محسوس کی لیکن اسے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔ اس لیے تسلی بھری مسکراہٹ سے سر ہلایا۔

"اور ہاں، موحی کو زیادہ تنگ نہ کرنا، وہ بچی ہے، پیار سے سمجھانا۔"

ابراہیم نے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھنے کے بعد ایک نظر اس ساڑھے پانچ فٹ کی "بچی" پہ ڈالی جس کی کمر تک آتی دو چوٹیوں میں سے کئی بال نکل کر چہرے اور گردن پہ لہرا رہے تھے۔ پھوپھی اماں سے لپٹ لپٹ کے رونے کی وجہ سے اس کی ہلکی شربتی آنکھیں اس وقت بالکل روح افزا کے رنگ کی ہو رہی تھیں اور عاکف کے ڈھیلے ڈھالے سوئٹر میں ملبوس وہ اس کی لمبی لمبی آستینوں میں اپنی مٹھیاں تک چھپائے کھڑی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسی سوئٹر میں ملفوف مٹھی سے موٹی سی گلابی ناک رگڑ کے شوں شوں کرتی وہ ابراہیم کو زہر لگ رہی تھی بلکہ اگلے ہی لمحے اسے بے فکری سے ادھر ادھر "منہ اٹھاتی" (ناک جھانکتی) پا کر عاکف بھی برا لگنے لگا کہ تب پھوپھی اماں نے اپنا جواب سنا کے اس پر اڑانا شروع کر دیا تھا۔

"اور اے میرے بچے، بہنوں کو زیادہ تنگ نہ کرنا اور موحی سے تو بالکل لڑائی نہیں کرنی۔ سن لیا؟ مجھے واپسی پہ کوئی شکایت سننے کو نہ ملے۔ دن بھر بھلے خوار ہوتے رہنا مگر خدا کے واسطے رات کو گھر وقت پہ پہنچ جایا کرنا۔"

ابراہیم نے بھی یاد دلایا۔ "نکلنا ہو تو آ جانا، کوئی تمہارے گھر کی چوکیداری کے واسطے دن رات بیٹھا نہیں رہے گا۔"

وہ مڑیں تو ان کی دیکھا دیکھی امی جان کو بھی ہر شے ابھی یاد آئی، ابراہیم کو تاکید کرنے لگیں۔

"بیٹا! آج ہی سارا کام نمٹا لینا، گھر اچھی طرح لاک کر کے ساری ضرورت کی چیزیں ساتھ لے کر پھوپھی کے گھر چلے جانا۔ تمہارے بھروسے محسن بھائی ہیں، ذمہ داری ہے، خیال رکھنا ان کا۔ تمہارے دم سے ہے، آپا کو بھی حوصلہ رہے گا، ورنہ یونہی پریشان ہوتی رہیں گی۔"

"جی امی۔" بڑی مشکل سے اس نے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی۔ اب پتا نہیں وہ کتنی مطمئن ہوئیں، ہوئیں بھی یا نہیں۔

"چلو بھئی آپ اندر چلنے کی کرو۔"

ابو جان کا فقرہ اسے حیات نو کی مانند لگا۔ ارد گرد کھڑے سب ہی عازمین حج اپنے پیاروں سے ملنے کے بعد سامان سمیت اندر جانے کی تیاری میں تھے۔ بادل نخواستہ امی اور پھوپھی اماں نے بھی اپنی اپنی اولاد کو مزید ہدایتوں سے فیض یاب کرنے کا طویل دورانیے کا پروگرام سمیٹا۔

موحی نے لمبی سی سسکی بھر کے پھوپھی اماں کو الوداعی "جپھی" ڈالی۔ امی جان کا نرم گرم سا ہاتھ اس کے سر سے ہوتا مضبوط شانوں تک ٹھہر گیا۔ ان کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کے ابراہیم کا سر خود بخود ہی ان کے آگے جھک گیا۔ انہوں نے بیٹے کی روشن پیشانی پہ ایک پیار بھرا بوسہ ثبت کیا۔ سیدھے ہوتے ابراہیم کی نگاہ ان کے پیچھے کھڑے ابو جان پہ پڑی۔ وہ آگے بڑھ کے ان کے گلے لگ گیا۔ پچھلے کئی دن سے باپ بیٹے کے درمیان جو ہلکی سی سرد مہری چھائی ہوئی تھی، یک لخت چھٹ گئی۔ اس کی چوڑی پشت تھپکتے ہوئے مظفر علی نے آہستہ سے کہا۔

"ہو سکے تو معاف کر دینا بیٹا!"

"ابو جان!" وہ تڑپ گیا۔ باپ کے گرد اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ یہ مختصر سا جملہ لئے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

"تمہاری ماں نے مجھے منع کیا تھا کہ سفر پہ نکلتے ہوئے بیٹے سے ایسا کوئی ذکر مت چھیڑنا جو کسی تلخی کا باعث بنے مگر میں جاتے جاتے صرف اتنا کہوں گا بیٹا! کہ ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں، دوسرے فرض کی ادائیگی تم پر قرض ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا ضرور۔ میں مجبور نہیں کر رہا، صرف سوچنے کا کہہ رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں تم نے اس بارے میں سوچنے تک کی زحمت نہیں کی۔"

وہ سرگوشی میں کہتے رہے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے سنتا رہا۔ کیا کہتا؟ آج تو کبھی تھا اس نے یہ بات سنتے ہی فٹ اختلاف کا پرچم بلند کر دیا تھا اور سوچنے کی

ضرورت بھی کیا تھی۔ انکار کی اچھی خاصی وجوہات تھیں۔ زندہ سلامت۔۔۔ ایک تو نیرا اور دوسری خود موحی۔

تو وہ پونے گھنٹے تک ایک ہی دائرے سے لپٹ لپٹ کر بھی ان سب کا جی نہ بھر رہا تھا لیکن جانا تو تھا اور پھر جہاں جانا تھا اس کی کشش بھی اتنی بھرپور تھی کہ گھر تو کیا بندہ سارا جہاں چھوڑ کے بھی وہاں جانا چاہے۔

☆ ☆ ☆

ائیرپورٹ سے واپس گھر جاتے ہوئے سب ہی چپ چپ تھے۔ بس کبھی کبھار ندرت کی گود میں ننھی نوفل کسی نامعلوم سی وجہ کے تحت ایک احتجاجی چیخ ضرور بلند کر دیتی جس کے سد باب کے لیے وہ گرم کپڑوں اور کمبل میں ملفوف اس ننھی سی سات ماہ کی بچی کو زور زور سے تھپکنا شروع کر دیتی۔ اس کے دونوں بیٹے اسکول گئے تھے ورنہ اس وقت اس مختصر سی سوزوکی ایف ایکس میں بھونچال آیا ہوتا۔

صدف خاموشی سے باہر تک رہی تھی جبکہ اس کے شانے پہ اپنا بکھرے بالوں والا سر ٹکائے موحی بے سدھ سو رہی تھی۔ اس کے گرد صدف کی شال لپٹی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے جب بھی اسے دیکھا کسی نہ کسی کے کپڑوں میں ہی دیکھا۔ کبھی عاکف کے گلے سے پشاوری چپل پہنے پھر رہی ہوتی، کبھی پھوپھی اماں کی مختصر سی چپل میں پیر پھنسائے سرسراتی رہتی۔ اس وقت بھی اس نے عاکف کا ڈھیلا ڈھالا سا سرخ اور گلے پہ چیک کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ نیچے ڈھیلی براؤن اور اسکن کلر کی لانگ والی شال جو صدف لپیٹے ہوئے تھی اب موحی کے اوپر تھی۔

ابراہیم نے بیزاری سے بیک ویو مرر سے نظر ہٹائی۔ ساتھ کی سیٹ پہ بیٹھے عاکف پہ نظر گئی تو اسے بھی اونگھتا پایا۔ یقیناً ساری رات پھوپھی اماں نے اپنے ان دو لاڈلوں کو سونے نہ دیا ہو گا۔ ائیرپورٹ جاتے ہوئے اس کی گاڑی میں ابو اور امی کے ساتھ پھوپھی اماں بھی تھیں اور وقفے وقفے سے مڑ کے پیچھے آتی ٹیکسی کو دیکھے جاتیں جس میں اس وقت یہ چاروں سوار تھے۔

"آئے ہائے! ان کی عقل تو دیکھو، صبح سویرے کا وقت، غضب کی سردی اور دھند، کھڑکی کے شیشے اتار رکھے ہیں۔ یہ عاکف تو موٹی کھال کا ہے۔ صدف نے بھی شال سے منہ سر لپیٹ رکھا ہے لیکن موحی کو تو ٹھنڈ بڑی جلدی لگتی ہے اور وہ ندرت کی گود میں گڑیا بھی تو ہے، اکڑ گئی ہو گی ننھی سی جان۔"

آخر روک ٹیکسی اور گاڑی رکوا کے ان کے خوب لتے لیتے ہوئے شیشے چڑھوائے۔ اگر اللہ کے گھر جانے کی خواہش اتنی شدید نہ ہوتی تو بھلا کب حوصلہ کر پاتیں وہ کہیں جانے کا۔

"آپا! آپ کو گھر اتار دوں یا گلی میں اتریں گی؟" پھوپھی اماں کی تنگ سی گلی کے نکڑ پہ گاڑی روکتے ہوئے ابراہیم نے پوچھا۔

"ہمیں اتار دو ہمیں۔ بہو کی والدہ سے کہہ آئی تھی کہ چند گھنٹے سنبھال لیں بچوں کو۔ شام کو ان کے پاپا مجھے لینے جائیں گے۔ اب بھلا تم کہاں یہاں سے ڈھوک چودھراں تک جاؤ گے۔"

وہ خاموش ہی رہا۔ جتنا تکلف نبھانا تھا، نبھا چکا تھا۔ ذرا سا بھی اخلاق مزید برتا تو نہ صرف اتنی ٹریفک میں سے گزر کے ڈھوک چودھراں تک انہیں چھوڑنے جانا پڑ سکتا تھا بلکہ ہو سکتا ہے وہ کیے میں بہار تشریف آوری کرتے ہوئے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری اسے ہی سونپ دیں۔ ندرت تو اتنی بات کہنے کے بعد بھی اندر ہی بیٹھی تھی کیونکہ ابراہیم کی مصلحت بھری خاموشی پہ مایوس ہو کے اتری تھی۔ ظاہر ہے اب شام کو اظہر بھائی کے ساتھ سوزوکی پک اپ میں ڈھیروں مسافروں کے ساتھ لد کے جانا کوئی اتنا خوشگوار بھی نہ ہوتا تھا۔

"ابراہیم بھائی! آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

عاطف نے لمبی سی جمائی لینے کے بعد پوچھا۔
"نہیں۔ ابھی تو نہیں میں کل صبح ڈیوٹی کے بعد سیدھا یہیں آجاؤں گا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
"چچا آئے امی ابو کو؟" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے عقب سے سائرہ آنٹی کی آواز آئی۔ بے تحاشا آتی نیند کو کچھ دیر کے لیے ٹالتا ہوا وہ الٹے قدموں نیچے اتر آیا۔
"ناشتہ کر لو۔ بہت دیر کر دی تم نے اچھا ہوا میں نے پراٹھے نہیں ڈالے ورنہ ٹھنڈے ہو جاتے۔ تم بیٹھو' اخبار پڑھو میں بس ابھی ناشتہ لے کر آتی ہوں۔"
"آنٹی ناشتہ تو میں نے صبح کر لیا تھا۔"
"صبح۔۔۔ کہاں۔۔۔ ایئرپورٹ؟" وہ چونکیں۔
"جی نہیں ڈیوٹی سے میں سیدھا وہاں گیا۔۔۔ پھوپھی لوگوں کے گھر گیا تھا۔ فلائٹ تو دس بجے کی تھی۔ آٹھ بجے انہیں لے کر نکلے تو ایئرپورٹ تک جانا تھا۔"
وہ خوا مخواہ ہی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔ سائرہ آنٹی نے خاموشی سے سر ہلایا۔
"اچھا چائے تو پیو گے؟"
"جی لیکن آپ عنایت کے ہاتھ اوپر ہی بھجوا دیجیے۔" "اے اللہ!" دیکھو کے ساتھ آنٹی شرارت سے مسکرائیں پھر چھیڑنے کے انداز میں کہنے لگیں۔
"ہاں بھئی تم کیوں بیٹھنے لگے یہاں۔۔۔ اس وقت نیرا تو گھر پہ ہوگی نہیں جس کی کشش تمہیں باندھ کے رکھے۔"
"آنٹی آپ بھی بس۔" وہ خجل سا ہو گیا۔
"درست کہہ رہی ہوں، ابھی وہ ہوتی تو میں دیکھتی کس طرح تم یہاں سے اٹھتے۔"
ابراہیم جھینپ کے مسکرانے لگا۔ آنٹی کی بے تکلفی بھی کبھی اسے اچھا خاصا شرمندہ کر دیتی تھی۔
"نہیں آنٹی بس میں چاہ رہا تھا چائے آنے تک فریش ہو جاؤں۔"
ساری رات کی سخت ترین ڈیوٹی کے بعد تو اسے یوں بھی سخت نیند آیا کرتی تھی اور وہ دن کو کئی کئی گھنٹے سویا کرتا لیکن چونکہ پچھلے دو دنوں سے امی اور ابو کے آجانے کی وجہ سے اس کی دن کی نیند کا دورانیہ بھی کم رہا تھا اس لیے اس وقت نیند کا غلبہ بھرپور تھا۔ اشتہا انگیز چائے کا گرما گرم کپ بھی اس پہ چھائی غنودگی کم نہ کر سکا۔ وہ یوں بے سدھ سویا کہ شام کو چھ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اور لاؤنج میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف سائیڈ ٹیبل پہ پڑے کلاک کے چمکتے ہندسے اندھیرے میں جگمگا رہے تھے۔ اس نے جھٹکے سے کمبل پرے کیا اور پہلے بیڈ روم کی پھر لاؤنج اور کچن کی لائٹیں آن کرنے لگا۔ اندھیرے سے اسے وحشت ہوتی تھی اور مغرب کے بعد لائٹیں آن کرنے کا معمول امی جان سے خود بخود اس میں منتقل ہو گیا تھا۔ روشنی پھیلتے ہی سیڑھیوں سے ٹک ٹک کی آواز ابھرنے لگی۔ ابراہیم کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فوراً واش روم کا رخ کیا۔ پانچ منٹ کے بعد جب وہ واش روم سے باہر نکلا تو نیرا کو لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلتے پایا۔
"او گاڈ! اتنی لمبی نیند۔"
"السلام علیکم۔" ہمیشہ کی طرح نیرا کی جلد بازی اور بے تابی پہ ٹوکتے ہوئے وہ اس کی لائی کافی کی طرف متوجہ ہوا۔
"وعلیکم السلام۔" اور ہمیشہ کی طرح نیرا نے اس کے اس طرح جتانے پہ چبا چبا کے سلام کا جواب دیا۔ اسے ابراہیم سے سخت شکایت تھی کہ پچھلے دو دن سے مسلسل نظرانداز ہو رہی ہے۔ اب امی ابو کے آنے سے پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرنے اور حج پہ جانے کی تمام مصروفیات دوبارہ سے بتاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بھی ابراہیم دل ہی دل میں خوف زدہ ہو رہا تھا کہ اگر نیرا کو یہ پتا چل جائے کہ وہ ان کے واپس پاکستان آنے تک پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرے گا تو شاید اسے منانے میں اگلے کئی دن لگ جائیں۔
"چلو ٹھیک ہے جو ہوا سو ہوا معاف کیا۔"

شاہانہ سی نزاکت کے ساتھ نیرا نے اپنا مومی ہاتھ لہراتے ہوئے اس کی گلوخلاصی کی۔ "لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ معافی ملنے کے بعد تم تلافی کا ارادہ بھی ترک کر دو۔ کل سے میرے کالج آنے سے بھی آدھ گھنٹہ پہلے تم جاگ جایا کرو گے اور میرا انتظار۔۔۔ نہیں بلکہ مجھے کالج سے پک کرو گے ہم ایک اچھا سا لنچ کیا کریں گے۔ دوپہر میں گھر پہ کیرم کھیلیں گے۔ کیرم کی بازی لگا کرے گی۔ اچھی اچھی موویز دیکھیں گے پھر شام کو جوہی پہ جانے سے پہلے تم میرے ساتھ کاؤنٹر کیا کرو گے ٹھیک ہے۔"
ابھی ابراہیم سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کئی روزہ پروگرام کے جواب میں وہ اپنا پروگرام کیسے بتائے کہ نیرا کی توجہ کاریڈور میں دھرے بیگ اور بریف کیس پہ پڑی۔
"یہ۔۔۔ یہ کس کا ہے؟"
"میرا۔" وہ ذرا سا کھنکھارا اور تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "دراصل پھوپھی اماں حج پہ تو جانا چاہ رہی تھیں لیکن گھر اور بچوں کی وجہ سے فکرمند تھیں۔ اس لیے ابو نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی انہیں تسلی کرا دی کہ ان کی غیر موجودگی میں میں اتنے دن وہیں ان کے گھر رہوں گا۔"
"حد ہے۔۔۔ تم۔۔۔" غصے اور حیرت کی زیادتی سے نیرا اس سے زیادہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے گھورتی رہی۔ ابراہیم نے اس حادثاتی خاموشی کو غنیمت جانتے ہوئے وضاحت جاری رکھی۔
"میں چاہتا تو بعد میں انکار کر سکتا تھا لیکن ایک اور انکار کا مطلب ہوتا ابو جان کی مزید ناراضی۔ تم جانتی ہو کہ ان کے فیصلے کو رد کر کے اور اپنی مرضی ان کے آگے رکھ کے میں نے پہلے ہی امی ابو دونوں کو خفا کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے کہ ان کی ناراضی اور غصے کے باوجود میں ان کا یہ فیصلہ ہرگز قبول نہیں کروں گا لیکن یہ دوسری بات۔۔۔ یقیناً تم قابل قبول اور عارضی کی ہے۔ اس کے ماننے سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہے۔ میں چاہتا تھا کہ جاتے جاتے ابو جان کا دل میرے لیے نرم ہو جائے۔ ایسے میں وہاں رہنے سے صاف انکار کر کے میں مزید حالات کیسے خراب کر لیتا۔"
اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔ مبادا اس کی بات سنے بغیر ہی نیرا پھٹ پڑے۔
"تم حالات ہموار کرنے والا کوئی کام بھی تو نہیں کر رہے۔ تم نے اپنے ابو کو اصل وجہ بتائی ہوتی اپنے انکار کی تو وہ اتنا ناراض بھی نہ ہوتے۔ میں کہتی رہ گئی کہ ان کی روانگی سے پہلے بس ایک بار یہ بات کر لو مگر تمہاری ہمت ہی نہ ہوئی۔ البتہ وہ جاتے جاتے اچھا انتظام کر گئے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمہیں اس گھر کا پابند کر گئے تاکہ ان کی غیر موجودگی میں بھی تم یہ بات فراموش نہ کر سکو۔ اگر صبح شام چلتے پھرتے ہر وقت وہ لڑکی تمہاری نظروں کے سامنے رہی تو شاید تم اپنی ضد سے ہٹ بھی جاؤ۔۔۔ ہے نا؟"
"حد ہو گئی۔۔۔ یعنی۔۔۔ اتنی بدگمانی۔۔۔ نہیں نیرا! ابو جان تو صرف۔۔۔"
وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا تجزیہ رد نہ کر سکا۔ پہلے اسے یہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ ابو جان کے اس اقدام کے

بیچھے۔ قصور بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اب نیرا نے توجہ دلائی تو اسے بھی شک ہونے لگا کہ ہو نہ ہو مجھے وہاں ٹھہرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن دل ہی دل میں ابوجان سے خائف ہونے کے باوجود وہ نیرا کے سامنے اس کے اندیشے کو ہوا نہ دے سکا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ دراصل پھوپھی اماں نے اپنے بچوں کی تربیت بالکل ایسے ہی کی ہے جیسے کوئی مرغی اپنے چوزوں کو پروں تلے چھپا کے رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کڑی نگہداشت کے نتیجے میں ان میں خود اعتمادی اور احساس ذمہ داری کہاں سے آئے گی۔ بس یہی وجہ ہے میرے وہاں ٹھہرنے کی۔ رہی بات میرے اس لڑکی کے بارے میں سنجیدہ ہونے کی تو یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں۔ یقین کرو نیرا! اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ تم میرے حوالے سے یوں عدم تحفظ کا شکار ہو۔"

اس نے اپنے طور پہ تسلی دینا چاہی لیکن نیرا الٹا بگڑ گئی۔

"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ذرا سی بھی حسین ہوتی تو پھر میرے لیے ضرور خطرہ بن سکتی تھی۔ تو مسٹر ابراہیم! زمانے میں مجھ سے حسین اور لڑکیاں بھی ہوں گی اور بھی ہوں گی۔ مجھے تو ہر لمحہ عدم تحفظ کا شکار ہو جانا چاہیے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم سے حسین بھی کوئی اور ہے؟"

اس نے گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے حسن بے پرواہ کو توجہ سے تکتے ہوئے کہا اور ابراہیم کی توقع کے عین مطابق اس کا ہلکا سا طیش بس اس ایک جملے کی مار بھی نہ سہہ سکا اور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ جاگنگ ٹراؤزر میں دونوں ٹانگیں سمیٹے بیٹھی تھی۔ چست بیلٹ کے فٹنگ والے ٹراؤزر میں سے پنڈلیوں کا سڈول پن واضح ہو رہا تھا اور گورے نازک ٹخنوں کی جھلک بار بار ابراہیم کا دھیان بٹا رہی تھی۔ ٹیبل کا دوپٹہ آدھا گود میں پڑا تھا اور آدھا کارپٹ پہ گرا ہوا تھا۔ شولڈر کٹ سرخی مائل براؤن بال ناز سے جھٹکتی ہوئی وہ آلوچے کے رنگ کی لپ اسٹک سے سجے گداز لبوں کو شرارت سے دبا کر مسکراتی وہ ابراہیم کے ہوش اڑانے لگی۔

"میں تیار ہو کے آتی ہوں تمہیں ڈنر پہ لے کے جاؤں۔"

"تیار ہو کیا ابھی حسین اور بھی تیار ہونا ہے؟"

وہ حیرت سے اس کے نک سک سے درست حلیے کو دیکھنے لگا۔ سیلف پرنٹ ویلوٹ کے اسٹائلش سے ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں ملبوس لائٹ میک اپ اور ملٹی نازک سی جیولری کے ساتھ وہ خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

"ہاں تو اور کیا؟ آج تم مجھے پی۔ سی میں ڈنر کرا رہے ہو آج۔"

وہ آرڈر دے کے مڑ گئی۔ ابراہیم حساب لگانے لگا کہ کس وقت تک ڈنر کے لیے نکلا جائے گا۔ پی۔ سی سے چکلالہ تک واپس نیرا کو ڈراپ کرنے کے بعد وہ ٹائم پر ڈیوٹی کے لیے پہنچ پائے گا۔ اچھا خاصا لمبا چکر تھا۔ پہلے اس نے سوچا نیرا کو پی۔ سی کے بجائے یہیں ایئرپورٹ کے قریب کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کرانے پہ آمادہ کرے لیکن پھر اس نے خود ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مشکلوں سے تو اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ وہ دوبارہ اپ ہونے کے لیے انتظار کرتے ہوئے بڑے صوفے پہ کو دیکھ کے سوچنے لگا۔ ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا اور وہ فوری عمل کرنے کے ارادے میں سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ تو مجھے کل صبح ڈیوٹی کے بعد پھوپھی اماں کے گھر رہنے جانا ہے۔ صبح تو نیند اور تھکن سے اتنی بری حالت ہوتی ہے کہ پریس سے ذرا ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں تک آ کر سامان لے کر دوبارہ پھوپھی اماں کے گھر تک جانا کس قدر مشکل ہے اور ساری رات سامان ساتھ بھی تو نہیں رکھ سکتا۔ بریف کیس بیگ کی تو خیر ہے لیکن کمپیوٹر بھی ہے اور وہ جاگنگ مشین بھی۔ وہ سب تو ڈیوٹی میں رات بھر نہیں سکتا۔ پارکنگ میں سیکیورٹی کو ایک دم ناقص ہے۔"

واحد حل یہی تھا کہ وہ ڈیوٹی پہ نکلتے ہوئے راستے میں رک کر یہ سارا سامان پھوپھی اماں کے گھر پہنچا دے۔ اگر نیرا ساتھ ہوئی تو کسی نہ کسی بدمزگی کا اندیشہ تھا اور ڈنر سے فارغ ہو کر اسے ڈراپ کرنے کے بعد یہ زیادہ انجام دیتا تو پریس سے لیٹ ہو جاتا۔ بالآخر اس نے لاحول پڑھ کر حل پہ عمل کرنے کا سوچا اور دل کڑا کر کے مضبوط کر کے نیرا کا سامنا کرنے کی ہمت مجتمع کرنے لگا۔ اس نے احتیاط کی ہونے سے سارا سامان گاڑی میں منتقل کیا۔ "اپنا کمرہ لاک کیا" لیمپس کے علاوہ تمام لائٹس آف کر کے وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترا۔ نیچے لاؤنج میں انکل کیبل سے جی بہلا رہے تھے۔

"ہاں بھئی ابراہیم! بڑے دنوں بعد سامنا ہوا۔"

"جی بس وہ مصروفیت ہی کچھ ایسی رہی۔ امی اور ابو لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں حج کے لیے روانہ کرنا تھا۔"

وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نیرا کے روم سے بڑی سپیکر Evening Party کا حلق پھاڑ رہا تھا۔

"ہمیں۔ تمہاری آنٹی تو کسی پارٹی میں گئی ہیں۔ نیرا اندر رہی ہو گی۔ جاؤ چلے جاؤ۔"

انہوں نے ریموٹ پر بے چینی سے انگلیاں حرکت کرتے ہوئے کمال بے تکلفی سے اجازت دی۔ پچھلے دو تین ماہ میں انکل اور آنٹی دونوں کے کھلے ڈلے مزاج سے ابھی خاصی آگاہی ہو جانے کے باوجود وہ اس اجازت پہ چکرا گیا۔

"جی؟؟" اسے لگا شاید سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ بھلا انکل اپنی بیٹی کے کمرے میں ایک جوان جہان کرائے دار کو جانے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

"تم تو جانتے ہو" وہ تیار ہونے میں کتنا وقت لگتی ہے۔ کب تک یوں بیٹھے انتظار کرتے ہو گے اس کا فل والیوم میں بج رہا ہے۔ یہاں سے آواز دی تو بھی نہ سن سکے گی۔ جاؤ شاباش! بلا کے لاؤ اسے۔ تمہیں دیر ہو رہی ہوگی۔"

انہوں نے بعد اصرار ابراہیم کو اٹھایا۔ مشعل روم کا شکار ابراہیم کوریڈور تک جا کے کوئی ذرا سا پلٹا تو اچٹتی سی نظر ٹی وی اسکرین تک گئی اور آنکھیں جیسے پوری کھل گئیں۔ چینل ایک بار پھر چینج ہو چکا تھا۔ فیشن ٹی وی پہ انکل اس وقت بیک لیس لڑکی کی کیٹ واک دیکھ رہے تھے اور شاید یہی وجہ تھی اسے فوراً سے پیشتر لاؤنج سے غائب کرنے کی۔

لاحول پڑھتا وہ اسی جانب مڑ گیا۔ وہ تین بار زور زور سے ناک کرنے کے بعد دروازہ کھلا اور نیرا کی صورت نظر آنے سے پہلے اس کی آواز سنائی دی۔

"او ہو کیا ہے پاپا؟؟" وہ جھلائی پھر اسے دیکھ کر جھینپ سی گئی۔

"بس دو منٹ۔ آجاؤ۔" کیمل کلر کی لانگ اسکرٹ کے اوپر اس نے بلیک شرٹ اور کرتی پہن رکھی تھی اور ان ہی دو رنگوں کے امتزاج کا خوبصورت اسکارف اس کی لانبی گردن پہ لپٹا ہوا تھا۔ ریڈ لپ اسٹک اس کے بے تحاشا گوری رنگت والے چہرے پہ بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"بس یہ شوز پہن لوں تو نکلتے ہیں۔" ریڈ لیدر شولڈر بیگ شانے پہ لٹکا کر ہائی ہیل سینڈل میں پاؤں پھنساتے ہوئے اس نے نظر اٹھا کر ابراہیم کو تسلی دینا چاہی۔ اس نے غور کیا نیرا کی آنکھوں کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے گرے لینس لگا رکھے تھے اور اب لائٹ براؤن لگے ہوئے تھے۔

"وہ... خدا جانے کیا ہوا کہ... دراصل ابھی ابھی آفس سے فون آیا ہے کہ کوئی ایمرجنسی ہے۔ مجھے ڈیوٹی پہ ذرا پہلے پہنچنا ہو گا تو اس وجہ سے..." نیرا کی چمکتی نگاہیں اسے بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"تو... تو کیا... ہمیشہ کی طرح کہنا کہ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ یہی بات ہے نا۔" روہانسے لہجے میں کہتے کہتے نیرا ایک دم بیڈ پہ گر کر سسکنے لگی وہ اور بھی بوکھلا گیا۔

"او پلیز نیرا! پلیز رو مت۔ بچوں کی طرح ایسا مت کرو۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ میری نئی نئی جاب ہے سیٹل ہونے میں ٹائم لگے گا۔ میں اپنی ڈیوٹی افورڈ نہیں

افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے تو افورڈ کر سکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ لیکن تم تو میری پرابلم سمجھو۔ اچھا دیکھو، پکا پرامس نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ آؤٹنگ پہ بھی چلیں گے۔"

"میں اسلام آباد جاؤں گی۔ سپر مارکیٹ میں بڑے اچھے نئے برینڈ آئے ہیں۔ کب سے ماما سے کہہ رہی ہوں لے چلیں۔"

"او کے... ڈن..." بمشکل بہت سے وعدوں، تسلیوں سے بہلا کر وہ وہاں سے نکلا۔ اگر سچ بتا دیتا تو شاید زیادہ دیر لگ جاتی وضاحتوں میں۔ جب وہ راجہ بازار میں بانو مارکیٹ کی بیک پر بنیا محلہ میں پہنچا تو آٹھ بجنے والے تھے۔ عالف لپک کے آیا اور اس کا سامان اندر پہنچانے لگا۔

"آپ... آپ تو صبح آنے والے تھے۔" صدف نے کچھ حیرت کچھ پریشانی سے پوچھا تو وہ جھینپ گیا (ایک تو یہاں آنے کی وجہ سے اتنی دیر تک خیر اپنے ساتھ سر کھپانا پڑا اور یہ محترمہ اعتراض کر رہی ہیں کہ آپ تو صبح آنے والے تھے)

"واپس چلا جاتا ہوں۔" بے حد خفگی انداز میں کہے گئے اس مختصر جملے نے صدف کو مزید حیران پریشان کر دیا۔

"جی میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو صرف..."

"میں صبح ہی آؤں گا ابھی صرف سامان لایا ہے۔"

صدف کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا اب وہ قدرے نرمی سے بولا۔

"آپ چلے جائیں گے؟"

"جانا تو ہے... نہیں۔ ایسا کرو مجھے کھانا لا دو میں آل ریڈی خاصا لیٹ ہو چکا ہوں۔ نو بجے تک مجھے ہاسٹل پہنچنا ہے۔ میں نے آج لنچ بھی نہیں کیا۔"

وہ بھوک کا احساس ہوتے ہی وہیں بیٹھ گیا۔ اب تو خاصے دن یہاں ہی رہنا تھا۔ "تکلف" کتنے دن تک چلتا۔ ویسے بھی ریسٹورنٹ جانے کا ٹائم بھی تو نہ رہا تھا ورنہ اسے تکلیف نہ دیتا کیونکہ اس وقت وہ دس بارہ بچوں میں گھری بیٹھی انہیں ٹیوشن دے رہی تھی۔

"آپ نے لنچ بھی نہیں کیا؟" وہ پھرتی سے اٹھی۔ پریشانی کے رنگ مزید گہرے ہو گئے۔

ابراہیم نے سر جھٹکا (محترمہ کو ہوتی نظر آنے کا نوائی ہی مراق ہے) ساتھ ہی کچن میں کھٹر پٹر کی آوازیں اور عالف کو جھڑنے والی بلند پکاریں سنائی دینے لگیں۔

دس منٹ یونہی گزر گئے تو ابراہیم نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ٹائم دیکھا۔

"ہو سکتا ہے پڑھانے کی مصروفیت میں اس نے اب تک کھانا تیار ہی نہ کیا ہو۔" اس نے سوچا اور کمرے سے باہر جھانک کے دیکھا۔ موتی ایک ہاتھ میں چارہ اٹھائے اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کی رسی تھامے اندر گھسیٹے لا رہی تھی۔

"آپ نے راجہ کو دیکھا؟" جواباً ابراہیم نے ایک سرد آہ بھری۔ پچھلے تین ماہ میں وہ جتنی بار بھی اس گھر میں آیا۔ موتی نے اپنے لاڈلے بکرے کا تعارف اسی سے یہی کہہ کر کروایا تھا۔

"دیکھیں ذرا کتنا موٹا اور تگڑا ہو گیا ہے۔ میں روزانہ اسے اپنے ہاتھ سے "پٹھے" (چارہ) ڈالتی ہوں۔ پھپھی جان تو کہہ رہی ہیں کہ راجہ کی طرف سے میں موتی کی وجہ سے بالکل بے فکر ہوں۔"

"اسے لے جا کہاں رہی ہو؟"

"اندر کچن کے ساتھ والے اسٹور میں باندھوں گی۔ رات کو سردی ہوتی ہے صحن میں۔"

"تمہاری آپا کہاں ہیں؟"

"میری آپا؟" اس کی بڑی بڑی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ "میری تو کوئی آپا نہیں۔"

"تو وہ ہو... صدف؟" وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

"اچھا... آپی... وہ تو آپی ہیں اور ندرت کو میں باجی کہتی ہوں۔"

ابراہیم اس وقت "آپا" "آپی" اور "باجی" کے درمیان فرق تلاش کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں جا رہا ہوں دروازہ لاک کر لو۔"

"دیکھا کیا ہے؟ میں نے ٹیبل لگا دی ہے۔"

عقب سے صدف کی نرم سی آواز پہ پلٹا۔ دل تو چاہا انکار کرتا ہوا سیدھا باہر نکل جائے لیکن اتنی شائستہ سی پیشکش پہ یوں بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا خود اسے مناسب نہ لگا۔ خاموشی سے آگے بڑھ کر ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ گیا۔ سادی سی کٹی تازہ سلاد، پودینے کی چٹنی، بگھری ہوئی گاڑھی گاڑھی مونگ کی کھچڑی، بھنی ہوئی دال اور لیموں کا اچار ٹیبل پہ سجا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے صدف نے کچھ دسترخوان میں لپٹے گرما گرم پھلکے اور شیشے کی بیضوی پلیٹ میں سنہری تلے ہوئے شامی کباب بھی آگے دھر دیے۔

"عالف کہاں ہے؟" اسے اکیلے کھانا کھانا مناسب معلوم نہ ہوا تو دریافت کر بیٹھا۔ اسی اثنا میں کال بیل کی آواز آئی۔

"لو شیطان کا نام لیا اور شیطان حاضر۔"

موتی چہکتی ہوئی باہر دروازہ کھولنے گئی۔ عالف نے آتے ہی ہاتھ میں پکڑا شاپر کھولا اور ٹیبل پہ موجود خالی پلیٹ میں گرما گرم چکن تکے الٹنے لگا۔

"سوری بھائی جان! تھوڑی دیر ہو گئی، رش بہت تھا۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "جب گھر میں کھانا پکا ہوا تھا تو باہر سے لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"دراصل مجھے علم نہیں تھا کہ آپ رات کے کھانے پر ہی آئیں گے مجھے آپ کے لیے اہتمام کر کے رکھنا چاہیے تھا۔" صدف اس کی پلیٹ میں تکے اٹھا اٹھا کے رکھنے لگی۔

"اہتمام کس لیے؟ میں کوئی مہمان ہوں اور پلیز آئندہ یہ تکلف مت کرنا ورنہ مجھے یہاں اطمینان اور بے تکلفی سے رہنے میں مشکل پیش آئے گی۔"

اس نے پھوپھی اماں کے مسائل کھلے حالات اور سادہ طرز زندگی کی وجہ سے کہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ مونگ کی دال اور اچار دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے اتنا چٹورا ہرگز نہ تھا اگرچہ دال اور سبزی کبھی بھی سے ہی زیادہ نہ بھاتی تھی لیکن پھر بھی امی جان کھانا

متوازن ہی رکھتیں۔ ہفتے میں ایک آدھ بار منہ کا ذائقہ بدلنے کو دال بھی کھالی جاتی لیکن جب سے وہ چکلالہ میں بنے فریج ولاز اسکیم کے اس آف وائٹ دیواروں اور گرین دروازوں والے بنگلے میں بطور پے انگ گیسٹ آیا تھا' اسے نت نئے پرتکلف کھانوں کی چاٹ پڑ گئی تھی اور نیرا سے دن بدن بڑھتی دوستی نے اسے وہ ٹھنک کی لت بھی ڈال دی۔ لیکن جو بھی تھا' پھوپھی اماں کی غیر موجودگی میں وہ ان کے گھرانے کو زیربار نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے دل ہی دل میں ارادہ کرلیا کہ جتنے دن وہ یہاں رہے گا وہ تمام رقم صدف کو دے دیا کرے گا جو کہ وہ وقت کے کھانے اور ناشتے کی مد میں سارہ آنٹی کو الگ سے پکڑا دیا کرتا تھا (کرائے کے علاوہ)

✿ ✿ ✿

اسے یہاں آئے تیسرا روز تھا اور پچھلے دو دن جو اسے نیرا کی تابعداری کرنا پڑ رہی تھی اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ جیسے اس نے یہاں آکر کوئی جرم کرلیا ہے جس کی پاداش میں اسے اپنی گرہ ہی سہی مگر نیرا کی شاپنگ پہ لٹانی پڑی۔ کبھی کبھی تو اسے نیرا کا رویہ بڑا عجیب سا لگتا۔ اس کی بے تکلفانہ فرمائشوں پہ جھنجھلا بھی جاتا لیکن پھر اس کے حسین چہرے پہ پھیلی حد درجہ معصومیت اور لہجے سے ٹپکتا بچکانہ اشتیاق کوئی غلط خیال دل میں آنے نہ دیتا۔

"اور کچھ نہیں ابھی طبیعت میں لاپروائی زیادہ ہے اور پھر مجھے اپنا سمجھتی ہے' اسی لیے تو بے تکلفی سے فرمائش کرواتی ہے۔"

وہ سر جھٹک دیتا۔ لیکن ان دو دنوں میں جس طرح نیرا نے اسے بوتیکس' سی ڈی شاپس' جیولرز اور ریسٹورنٹس میں پریڈ کروائی تھی۔ وہ پکا ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ بیماری کا بہانہ بنا کے کچھ دن اس سے بالکل ملنے نہیں جائے گا۔ شکر ہے کہ یہاں کا ایڈریس اس کے پاس نہیں تھا ہاں موبائل پہ وہ بار بار آنے کا اصرار ضرور کرسکتی ہے لیکن فون پہ جھوٹ بولنا کون سا مشکل کام تھا۔

وہ ابھی ابھی سو کے اٹھا تھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کچھ دیر نرم گرم سی دھوپ لینے کے ارادے سے صحن میں نکلا لیکن کونے میں بنے "راجہ" کے شور اور گندگی کی بدبو نے دل نہ ٹھہرنے دیا وہ پلٹ کر اندر جانے کو تھا کہ کال بیل کی آواز پہ مڑا۔ دروازہ کھولا تو صدف سامنے تھی۔ آہستہ سے سلام کرتی وہ اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں کینو اور امرود کے تھیلے تھے۔ وہیں تخت پہ دھر کے موتی کو آواز دی۔

"جی آپی۔"

"موتی! صرف چارہ ڈال دینے سے تو ذمہ داری پوری نہیں ہوجاتی' دیکھو ذرا کس قدر گند پھیلا ہوا ہے صحن میں۔ میں صبح ساری جھاڑو دے کے اور پورا کونا فینائل سے دھو کے گئی تھی۔ تم کم از کم بکھرا ہوا چارہ تو جھاڑو سے ایک طرف لگا دیتے۔ جاؤ ساری صفائی کرو صحن کی۔"

"اوکے بھی نہیں۔" وہ منمنایا۔

"بائی دی وے' یہ عید سے کئی کئی ماہ پہلے بکرا خریدنا اور پھر اسے اتنے ناز و نعم سے پالنا کیا بہت ضروری ہے۔"

"ضروری تو خیر نہیں لیکن یہ ہمارے گھر کی روایت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ آپ نے کھانا کھالیا؟" اس نے کچن کی طرف مڑتے ہوئے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔ مجھے تو جاگے ہوئے ابھی کچھ ہی منٹ ہوئے ہیں۔"

"اوہ" اسی وقت جاگا کرتا جب صدف اسکول سے آنے والی ہوتی یا کچھ دیر قبل لوٹی ہوتی اور یہ سوال کرنا بھی نہ بھولتی تھی۔ بلکہ جب صبح سویرے ہوٹل سے واپس آتا تو وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہوتی لیکن اس کے ناشتے سے غافل نہیں ہوتی تھی' تمام تیاریاں مکمل ہوتیں' ہاٹ پاٹ میں ناشتہ کرکے رکھے پراٹھے' پلیٹ میں دم کی ہوئی چائے اور میں آملیٹ کے لیے پھینٹ کے رکھا ہوا انڈہ۔ صدف

جانے کیسے نہ کسی طرح جھنجھوڑ کے موتی کو جگانے کے بعد کچن میں لاکھڑا کرتی اور وہ جمائیاں لیتے ہوئے فرائی پان میں آمیزہ الٹ کرنے کی زحمت گوارا کرلیتا۔

ابراہیم کو صدف کے اسٹیمنا پہ حیرت بھی ہوتی تھی اور رشک بھی آتا تھا۔ کئی گھنٹے پرائمری کلاسز کے بچوں کے ساتھ سر کھپانے کے آنے کے بعد بھی وہ کمال کی تازہ دم ہوتی' آتے ہی گھر کے سب کاموں کو لپیٹ دے لیتی۔

وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا کیونکہ عاطف گھر پہ تھا اور موتی کو ابھی اس نے دال چاول کی بھری پلیٹ سے جھوٹنا دیکھا تھا' اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ صرف اس کے لیے وہ تکلف کیا جائے۔

"میں کھانا کھالیتا ہوں میں بھی۔"

کاؤنٹر کے نزدیک موڑھا گھسیٹ کے وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ وہ چپ چاپ ڈش میں چاول نکالنے لگی' ایک ڈونگے میں دال نکالنے کے بعد اس نے چھوٹے ڈونگے میں فرائی پان میں بھون کے رکھا قیمہ نکالا تو ابراہیم کا دھیان پھر اس طرف چلا گیا کہ صرف اس کی وجہ سے اسے دونوں وقت خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے ورنہ وہ قیمہ اتنی کم مقدار میں نہ بھونتی۔ اس نے اپنی لاپروائی اور بے تکلفی چھپانے کو خود کو ڈپٹا اور اسے فریج سے آٹا نکالتے دیکھ کے فوراً "منع" کرنے لگا۔

"آپ اپنے لیے روٹی پکا رہی ہو تو ٹھیک ہے میرے لیے مت پکانا۔ میں چاول ہی کھاؤں گا۔"

صدف نے بھی اصرار نہ کیا۔ پہلے ابراہیم نے تھوڑے سے چاولوں پہ وہ کالی کالی گاڑھی دال ڈالی اور سفید چاول اور کالی دال کے کمبی نیشن پہ غور کرتا ہوا جھجک کے کھانا شروع ہوا۔ اپنی شکل و صورت سے قطع نظر دال کا ذائقہ خوشگوار حد تک اچھا تھا یعنی حیرت انگیز۔

"اس دال کا نام کیا ہے؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"ثابت مسور۔ آپ نے پہلے کبھی نہیں کھائی؟"

"نہیں۔ کھائی تو ہوگی لیکن نام نہیں معلوم۔ بس نام یاد نہیں رہتے۔"

اس نے بتانا ضروری نہ سمجھا کہ ایسی گاڑھی بنی ہوئی دالیں یوں چاولوں پہ الٹ الٹ کے کبھی نہیں کھائیں۔ کبھی کبھار خوب مسالے والی ماش کی بھنی دال کھالیا کرتا تھا یا عرصے بعد اگر امی جان چنے پکاتیں اپنے مخصوص لاہوری انداز میں۔ لیکن آج گاجر اور ہری مرچ کے اچار اور املی کی چٹنی کے ساتھ دال چاول کھانے میں اسے واقعی لطف آگیا۔ کچھ دیر بعد عاطف بھی آگیا۔ قیمہ دیکھ کے اس نے یہ بلیک اینڈ وائٹ ٹیسٹ کرنے سے صاف انکار کردیا۔

"صبر کرو پھر کھانا ختم کرکے لاتی ہوں روٹی۔"

"یہ موتی کس مرض کی دوا ہے؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"وہ تو خود مرض ہے اور وہ بھی لاعلاج۔"

عاطف نے قہقہہ لگایا پھر اٹھ کے توا چولہے پہ رکھنے لگا۔ فریج سے آٹا نکال کے بھی باہر رکھ دیا۔

"ابراہیم بھائی! آپ کا تو برتھ ڈے بھی قریب ہے' کیا خیال ہے پارٹی ہوجائے۔"

اسے نجانے کہاں سے خیال آیا۔ خود ابراہیم بھی حیران رہ گیا۔

"میرا برتھ ڈے۔۔۔ ابھی کہاں' ابھی تو فروری ہے۔"

"لیکن آپ کو تو ابھی نہیں پتا کہ آپ بڑی عید یعنی بقر عید کو پیدا ہوئے تھے۔ ہم تو امی جان سے ہزاروں بار یہ واقعہ سن چکے ہیں کہ کس طرح عین عید والے دن آپ نے رونق افروز ہوکے عید کی خوشیاں دوبالا کردی تھیں اور اسی عید کی مناسبت سے آپ کا نام رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا' آپ کی دادی محترمہ تو آپ کا نام محمد دین یا عید محمد عرف عیدو رکھنے پہ بضد تھیں پہ تو ہماری امی جان نے بیچ میں کود کر ابراہیم نام تجویز کیا' عیدالاضحیٰ اور قربانی کے حوالے سے یہ نام سب کو پسند آیا اور سب اس پہ متفق ہوگئے۔"

"واقعی۔۔۔ پھر تو واقعی پھوپھی اماں نے بڑا احسان کیا مجھ پہ۔"

ابراہیم نے تصور میں خود کو "عیدو" عیدو" کی

صدا ایسی پڑتے تو کچھ کے جھرجھری لے کر کہا۔

"بھائی جان نے بھی یہ واقعہ آپ کو نہیں سنایا؟"

"دراصل مجھے اپنے بچپن کے قصے سننے سے خود ہی کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

بچپن کی حماقتیں اور لڑکپن کی بدحواسیاں سوائے شرمندگی کے اور رکھی بھی کیا ہیں جو انہیں دہرایا جائے۔

"آپ نے مجھے تو بڑا مزا آتا ہے کوئی کسے نہ کرے میں خود ہی عمر رفتہ کو آواز دے لیتا ہوں۔ جیسے کہ ہر سال بڑی عید آتے ہی مجھے بچپن کی وہ تمام بقرعیدیں یاد آجاتی ہیں۔ جس میں قربانی سے کچھ دیر قبل میں اپنے تمام "راجاؤں" سے لپٹ لپٹ کے دھاڑیں مار مار کر روتا اور ابو اور چاچا جی وغیرہ کے ہاتھوں بدقت تمام ان کا 'دیا' کر پاتا اور رسی چھڑوانے کے لیے اپنے معصوم کے ساتھ ہے قربت اور انسیت تو ہو ہی جاتی ہے وہ تو اب بھی ہوتی ہے۔ لیکن بچپن کی محبتیں بڑی اندھی اور شدت پسند ہوتی ہیں۔ ہے نا؟" وہ کہیں کھو سا گیا۔

"تو پھر اتنے دن پہلے بکرا پالنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پالتو جانور کی طرح اس کی سیوا کی جائے، لاڈ اٹھائے جائیں، نہلایا دھلایا جائے اور پھر اپنے ہاتھوں سے قصائی کے سپرد کرتے ہوئے دل کانپتا تو ہوگا اور بچپن میں تو یوں بھی دل زیادہ حساس ہوتا ہے۔ کیا ضرورت ہوتی ہے بچوں کے کچے ذہنوں کو یوں جھٹکا لگانے کی۔ میں ابھی صدف سے یہی پوچھ رہا تھا۔"

ابراہیم نے خاموشی سے کھانا کھاتی صدف کو گفتگو میں شامل کیا۔

"میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ ہماری ضرورت بھی ہے اور کئی سالوں سے اب روایت میں بھی شامل ہے۔ پہلے میں ضرورت کی وضاحت کر دوں۔ ضرورت اتنی اشد اور ناگزیر بھی نہیں بس سہولت کہہ لیجیے۔ آپ جانتے ہیں قربانی ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے اور اس استطاعت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگ عید کے نزدیک اخراجات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بکرا لے نہیں پاتے۔ ان دنوں قیمتیں بھی آسمانوں سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔ عام درجے کا بکرا بھی چار ہزار سے کم نہیں ملتا۔ لوگ ڈیڑھ دو ہزار جیب میں ڈال کر بکرا منڈی جاتے ہیں اور ناکام لوٹ کر بڑی آسانی سے خود کو صاحب استطاعت افراد کی لسٹ سے خارج کر کے قربانی کے فریضے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اکثریت ان میں سے ایسی نہیں ہوتی۔ اگر کچھ مہینے پہلے ہی وہ لوگ جانور لے کر واضح قربانی کی نیت سے دور کر کے پس انداز کریں تو با آسانی اس فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ ابو جان نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے ان عزیزوں اور ملنے والوں سے جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں، کہہ کے جانور انہیں دے کر قربانی کی نیت سے پالنا شروع کروا دیتے ہیں۔ جو اگرچہ سال بھر اس کی چارہ وغیرہ کا خرچہ بھی ہوتا ہے لیکن یک مشت کئی ہزار نہیں دینے پڑتے اور بڑا سوال اس کو پالنے دیکھنے بھالنے کی ذمہ داری کا تو قربانی کا جانور تو اللہ کا مہمان ہوتا ہے اگر عقیدت سے اس کی دیکھ بھال کی جائے تو میرا خیال ہے گراں نہیں گزرے گا۔"

"اور وہ جو دل میں ایک خاص انسیت پیدا ہو جاتی ہے اس جانور کے لیے تو کیا یہ اچھی بات ہے۔ اس طرح دل پہ جبر کرتے ہوئے اپنے ہی پالے ہوئے بکرے کو یوں قصائی کے ہاتھ میں دینا اس سے تو بہتر ہے کہ میں تو یہی کرتا ہوں عموماً عید سے ایک دن پہلے بلکہ رات کو بکرا خرید کے لاتا ہوں چند گھنٹے گھر اور گلی میں بندھا رہتا ہے پھر صبح قربانی کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔"

"فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن دل قربانی کے مفہوم سے ناآشنا ہی رہتا ہے۔ ہمیں تو ابو جان نے یہی کہا ہے کہ اللہ کو تمہارے دنبوں، بکروں کی ضرورت نہیں۔ یہ فرض دراصل ہمیں اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جس قربانی کی مثال تاریخ انسانی میں دوسری نہیں ملتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنا کسی تامل کے اپنے لخت جگر کو قربانی کے لیے پیش کر دیا اور عظیم قربانی تو اس اعلا مقام بیٹے کی بھی تھی جس نے باپ کو اللہ کے حضور سرخرو کرنے کے لیے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے اپنا سر قلم کرنے کے لیے جھکا دیا۔ ہم گناہ گار کہاں اس درجے تک پہنچ سکتے ہیں لیکن ہر بار "راجہ" کو اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہوئے دل میں یہ تسلی تو ہوتی ہے کہ ہم محض بازار سے خریدی ایک چیز نہیں قربان کر رہے بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کے عائد کردہ ایک فرض کو نبھانے کے لیے اپنی ایک عزیز چیز پیش کر رہے ہیں۔ یہی تو قربانی کا جذبہ ہے۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے سے محبت نہ تھی؟

کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی جان اور زندگی پیاری نہ تھی؟ یقیناً تھی۔ لیکن اللہ کی محبت ہر محبت پہ غالب آگئی اور قربانی کا اصل مفہوم یہی ہے کہ ایک عزیز شے کو دوسری عزیز تر ہستی پہ قربان کر دیا جائے چاہے اس کے لیے دل کتنا ہی تڑپے، کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو مگر اس عزیز تر ہستی کی خوشنودی کی خوشی اتنی بڑی ہو کہ چھوٹے موٹے دکھ دل میں فنا ہو جائیں۔ جو اس قربانی کا حوصلہ نہیں پاتے وہ کسی سے محبت کا دعوا بھی نہیں کر سکتے۔"

اس کے طویل بیان نے ابراہیم پہ سکتہ طاری کر دیا۔ وہ گم صم سا بیٹھا ایک ایک لفظ اپنے اندر اتارتا رہا۔ بات ایک معمولی سے بکرے سے چھڑ کے مسئلے سے شروع ہوئی تھی اور کتنی حقیقتیں اس پر آشکار کر گئی۔

"کیوں ابراہیم بھائی، ہے نا میری بہن پکی پکی استانی۔ ایمان سے... خواہ مخواہ طول دینا کوئی اس سے سیکھے۔ ایک گھنٹہ میں ڈبل ڈیوٹی بھگتاتی ہے، اسکول کے بچوں کے ساتھ ساتھ گھر والوں اور گھر آئے مہمانوں کو بھی لیکچر سنانا ان پر فرض ہے۔"

عاطف نے اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ صدف کے جملے بار بار کانوں میں گونج رہے تھے۔

"ایک محبت پہ دوسری محبت غالب آجائے تو ....."

"ایک عزیز ہستی کے لیے عزیز شے قربان کر دینا ہی محبت ہے۔"

"جو قربانی کا حوصلہ نہیں پاتا اسے محبت کا دعوا نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیا میں ہی ملا ہوں آپ کو قربانی کے لیے؟" امی جان سے کیا گیا وہ احتجاج اسے بے ساختہ یاد آیا۔

"بہت خوب ابراہیم! تو اب آپ کے مزاج شریف آپ کی اور کوئی پرانے احسانوں کا بوجھ بھی آپ پر اور جھینٹ چڑھا رہے ہیں آپ "مجھے"... مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"

اپنے ہی کہے گئے بے رحم الفاظ کچھ ایسے مارتے اس تک لوٹے... وہ سر جھکا کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اکلوتا تھا تو نہیں لیکن اکلوتوں ہی کی طرح پلا۔ اس میں اور بڑے بھیا اویس علی میں تقریباً گیارہ سال کا فرق تھا۔ اس کی بڑی امی یعنی معظم علی کی پہلی بیوی اویس علی کی پیدائش کے ساتھ ہی وفات پا گئیں۔ کئی سال معظم علی نے یاسیت اور اداسی سے اکیلے گزار دیے۔

ان کی آپا نصرت آرا جن کی شادی طے تھی، ننھے اویس میں ایسی گم ہو کے رہ گئیں۔ ایسے میں شادی کا تصور انہیں ہولا کے رکھ دیتا۔ اگر وہ شادی کر کے گاؤں چلی جاتیں تو بوڑھی ماں کیا خود کو سنبھالتی اور کیا ننھے سے بن ماں کے پوتے کو۔ گھر بھر سے لڑ جھگڑ کے انہوں نے شادی رکوا دی۔ وہ شادی صرف بھائی کے دوبارہ گھر بس جانے تک ملتوی کرنا چاہتی تھیں لیکن ہوا یہ کہ رشتہ ہی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے بھی ملال نہ کیا اور اللہ کی رضا جان کے سب کچھ اویس کو سمجھتے ہوئے تن من جان سے اس کی پرورش کرنا شروع کر دی۔

چند سال بعد جب معظم ذرا سنبھلے اور زندگی کی رعنائیاں انہیں پھر سے اپنی جانب کھینچنے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ بن کی بے آبادی بھی دکھ دینے لگی تو

دوبارہ گھر جانے کے لیے رضامند ہو گئے ساتھ ہی شرط عائد کر دی کہ نصرت آرا کا نکاح بھی ان کے ساتھ ہی پڑھوا دیا جائے۔

مظفر علی اگرچہ پینتیس کے ہو رہے تھے، دیا ہو بھی تھے لیکن پھر بھی ایک اچھے گھرانے کی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی سعیدہ ان کی زندگی میں آ گئی لیکن نصرت آرا کی بدقسمتی نظر آڑے آ گئی۔ بڑی مشکل سے رشتہ ملا اور کرامت حسین کے ساتھ بات طے ہو گئی۔ دونوں بہن بھائی کے گھر بس گئے۔ قسمت کی بات کہ مظفر علی کے لیے تو یہ دوسری شادی بے حد مبارک ثابت ہوئی۔ ان کا کاروبار لاہور جا کے خوب پھلا پھولا۔ اب ان کا شمار خوشحال گھرانوں میں ہونے لگا جبکہ کرامت حسین تو معمولی سا پرچون فروش تھا اسی دکان تک محدود رہا۔

مظفر علی نے گاہے بگاہے بہن کی امداد کرنا چاہی لیکن بہن سے بڑھ کے بہنوئی خوددار تھا اور پھر وہ اپنی اس سادہ زندگی میں راضی برضا تھے، دونوں میاں بیوی کو نہ تو تنگ دستی سے شکایت تھی نہ زیادہ کی تمنا اس لیے کبھی دکھڑے نہ روئے۔

رفتہ رفتہ مظفر علی نے بھی بہن کے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ سعیدہ اچھی فطرت کی خاتون تھیں۔ اویس کے ساتھ کبھی سوتیلی ماں کا فرق نہ رکھا لیکن وہ لڑکپن کی حدود میں داخل ہوا تو بچہ وقت سے پہلے سمجھدار ہو گیا تھا اور رشتوں کی نزاکت سمجھنے لگا تھا۔ اس کے دل نے یہ رشتہ کچھ زیادہ خوشی سے قبول نہ کیا اور ہاسٹل میں رہنے کی ضد کی۔ کراچی کے بورڈنگ سے تعلیم پڑھنے چلا گیا۔ اور جرمنی ہی سے اپنی شادی کی اطلاع بھی بھیج دی۔ ماں باپ سے تو اس کی وابستگی قائم ہوئی نہ کبھی بچپن میں لوریاں سنانے اور تھپکنے والی پھوپھی اماں کو بھی یکسر بھول گیا جبکہ مظفر علی اویس کے لیے اپنی آپا کی بڑی بیٹی ندرت کا خواب دیکھے بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے صبر کر لیا اور سعیدہ کی طرح اپنی توجہ ابراہیم پر مرکوز کر دی جو پہلے ہی حد درجہ توجہ پانے سے خود سر اور خود پسند ہو چلا تھا۔

تعلیمی میدان کی حد تک ابراہیم شروع ہی سے ذہین و فطین رہا لیکن دنیاداری کے معاملے میں وہ بھی ساقط۔ پریکٹیکل لائف میں داخل ہونے کے بعد بھی اسے انسانوں کو پرکھنے برتنے کا سلیقہ نہ آیا تھا۔ شاید ابھی جانا آگر وہ انسانوں سے اس طرح تجرباً الگ تھلگ رہنے کا عادی نہ ہوتا۔ اس کی خودپسندی نے کبھی کوئی قریبی دوست بنانے نہ دیا۔ بھائی سے ویسے بھی عمر اور ذہن کا کئی برس کا فاصلہ تھا اور باقی رشتے بھی برائے نام ہی تھے۔ دو ماموں تھے ایک جرمنی میں اور دوسرے کراچی میں۔ کراچی والے ماموں سے بھی بس اتنا ہی رابطہ و واسطہ تھا جتنا کہ جرمنی والے ماموں سے۔ یعنی عید کے عید کارڈ اور سال میں ایک آدھ فون تک محدود۔

نانا نانی تو خیر اس کی پیدائش سے پہلے ہی گزر چکے تھے، دادا دادی بھی ہوش کی عمر آنے تک وفات پا گئے۔ لے دے کے ایک پھوپھی اماں ہی تھیں۔ وہ اگرچہ پنڈی میں رہتی تھیں لیکن خاصا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ تو سال میں ایک آدھ بار خصوصاً بچوں کی گرمیوں کی چھٹیوں میں ضرور ہی چند دن میکے بھائی کے گھر رہنے آتیں لیکن بچے ہی بڑے ہوئے اور پھوپھا جان کا بھی انتقال ہو گیا یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

ابو جان البتہ کاروبار کے سلسلے میں پنڈی آتے جاتے رہتے تھے اور ہر بار ہی بہن کے لیے اہتمام سے موسم کے لحاظ سے بڑی نند کے لیے سوٹ اور بچوں کے لیے مختلف چیزیں، تحفے، مٹھائی، پھل... ابراہیم بھی دو تین بار پنڈی ہو آیا۔ لیکن جب جاب کے سلسلے میں اسے مستقل پنڈی شفٹ ہونا پڑا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بار بار پھوپھی اماں کے گھر آنا پڑا اور یوں یہ سلسلہ چل نکلا۔

اس کا رجحان شروع ہی سے جرنلزم کی طرف تھا۔ ابو جان نے اسے اپنے بزنس کی طرف راغب کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام ہو کے یہاں تک جھکنا پڑا کہ وہ اس کے لیے ذاتی اخبار یا ماہنامہ وغیرہ نکالنے پر تیار ہیں۔ لیکن ابراہیم نے انکار کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ میگزین نکالنا آسان اور چلانا کتنا دشوار ہے۔ اس کے لیے تجربہ چاہئے اور اس سے بھی بڑھ کے نام جو وہ کسی مشہور اشاعتی ادارے سے منسلک ہو کے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے ابو جان کی آفر شکریے کے ساتھ یہ کہہ کر لوٹا دی کہ وہ کم از کم آٹھ دس سال بعد اس پر غور کرے گا۔

ملک کے سب سے کثیر الاشاعت روزنامے سے منسلک ہوتے ہی اس کی ٹرانسفر پنڈی برانچ میں ہو گئی۔ وہ جانے کی تیاری کر رہا تھا جب امی اور ابو نے اسے نصرت کے ہاں ٹھہرنے کی تاکید کی۔ لیکن اس نے سختی سے انکار کر دینے کے بعد وہاں اصرار نہ کیا۔ وہ بھی اپنے تنہائی پسند اور کم گو بیٹے کے مزاج سے واقف تھے لیکن اسے "وقتاً فوقتاً" پھوپھی کے ہاں جاتے رہنے کی نصیحت ضرور کی جو اس نے سر جھکا کے مان لی۔

بعد میں نجانے کس وجہ سے مگر ہر ہفتے تو وہ ضرور ہی وہاں جا آتا رہا۔ حالانکہ پہلے اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بچپن کا کوئی ایسا خوشگوار واقعہ نہ تھا جس کی کشش اسے اس گھر تک کھینچتی۔ اسے یاد تھا کہ وہ جب بھی ایک آدھ روز کے لیے پنڈی آیا اچھا خاصا بور ہوا کرتا تھا۔ عاکف اس سے خاصا چھوٹا تھا اور جھگڑالو اور ضدی بھی جبکہ ندرت، صدف "تقریباً" اس کی ہم عمر ہی تھیں۔ ندرت ایک سال بڑی جبکہ صدف چھ سات سال چھوٹی۔ لیکن لڑکیوں سے کھیلنے کا اسے کبھی شوق نہیں رہا تھا۔ اس لیے ایک کونے میں بیٹھا عمران سیریز پڑھتا رہتا۔ پھوپھی اماں کی گود میں ایک گوری سی گول مٹول ننھی سی بچی بھی دیکھی تھی وہ لوگ اسے صدف اور آکو کی "منی" بہن ہی سمجھا۔ بعد میں بڑا ہونے کے بعد پتا چلا کہ یہ بچی پھوپھی اماں کے جیٹھ کی بچی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی ایک ٹرین کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے اور یہ بچ گئی۔ جاتے جاتے وہ دونوں سرد موسم کی وجہ سے ننھی سی بچی کو پھوپھی کے حوالے کر گئے تھے اس لیے انہوں نے اسے قسمت کا لکھا سمجھ کے خود فرض کر لیا اور یتیم بچی کی ذمہ داری کا بیڑا اٹھا لیا۔

کم ہی لوگ جانتے تھے کہ وہ ان کی سگی بیٹی نہ تھی وہ تو جب سوچتی کہ کسے پکارتی تو پتا چلتا۔

سالوں بعد اسے دیکھتے ہی ابراہیم کو ایسا لگا جیسے وہ کسی کی جیتی جاگتی تھی۔ روئی، موٹی ناک سکیڑتی، وہ بچی، ندرت کی کھجائی اور صدف کی جھڑکیاں کھا کے مسکراتی۔ ہاں شکل و صورت خوب نکھر گئی تھی۔ رنگ گورا تو بچپن سے تھا اب گلابی بھی ہو گیا۔ گول گپا سا منہ اب بیضوی ہو چکا تھا اور پر گوشت گالوں میں کھنکتی ہنسنے والی آنکھیں اب بڑی بڑی سی نرگسی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ ناک البتہ ویسی کی ویسی ہی پکوڑا سی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو ابراہیم کو متوجہ کرتا۔ یہ تو ابو جان تھے جنہوں نے اس کی توجہ اس طرف دلائی اور وہ سنتے ہی بدک اٹھا۔ اسے ابو جان کا یہ فیصلہ سراسر ناانصافی لگنے لگا وہ تو کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔ نیز اگر کراچی جان سے کرنے کا ارادہ تھا لیکن انہوں نے بات ہی ایسی کی کہ وہ چپ سے اکڑ گیا۔

"ابو جان! آپ جانتے بھی ہیں کیا کہہ رہے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا آپ نے کیا سوچ کے یہ بات کی۔ آپ نے بھائی کیا ہے؟"

"میں نے آپا کی شکستگی دیکھی ہے۔" وہ آہستہ سے بولے۔ "برے سے برے حالات میں اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی میں نے ان کا حوصلہ ٹوٹتے نہ دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ تھکنے لگی ہیں، ہارنے لگی ہیں۔ ان کے لہجے سے جھلکتی بے بسی مجھے مجرم سا بنا رہی ہے۔ وہ ساری زندگی صبر اور قناعت سے کام لیتی رہیں لیکن ندرت اپنے حالات سے سمجھوتا نہیں کر پا رہی۔ آپا بھی کیا کرتیں۔ بھائی جان کے جیسے حالات تھے ان میں اتنا جیسا رشتہ ہی مل سکتا تھا لیکن نصرت کے ساتھ ساتھ اس میں بدمزاجی اور مفت خوری جیسی عادتیں بھی ہیں۔ آپا داماد اور سمدھیوں کے مطالبات پورے کرتے کرتے ہلکان ہو رہی ہیں۔ عاکف سے تو کام دھندے سے نہیں لگ رہا۔ ایسے میں بیچاری صدف ہی سارے گھر کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔

چار سال سے اپنے چچا کے گھر آگئی ہوئی ہے۔ باقاعدہ منگنی تو نہیں مگر بات طے ہے۔ آپا کی بیٹی ہے اس لیے وہی صدف میں وہی جذبے ہیں۔ بھائی کے پیروں پر کھڑے ہونے سے پہلے شادی کرنے پر تیار نہیں۔ وہ سال سے آپا دو ہر کو ٹال رہی ہیں۔ آخر صدف کی [illegible] اور [illegible] سے گھر کے قریب چلتے ہیں۔ میں نے آپا سے بات کی ہے۔ عائف کو لاہور لے جاؤں اپنے ساتھ کاروبار لگاؤں۔ تم تو اپنی ملازمت میں مصروف ہو۔ انہیں خوف کا مگر جلد از جلد بیاہ لینے کا عندیہ بھی دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تاریخ خود کو دہرائے اور کسی کی طرح صدف بھی عمر کے سنہری سال قربانیوں میں گزار کے ادھورے رشتے کی الجھن میں پھنسی رہ جائے لیکن آپا کا کہنا ہے کہ وہ صدف کے ساتھ ساتھ موتی کو بھی گھر بار کا دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ موتی کو اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے کسی اچھی جگہ اسے بیاہنا چاہتی ہیں۔ جلد بازی میں عورت والی غلطی دہرا کے دنیا کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتیں۔"

"وہ یہ چاہتی ہیں... وہ یہ نہیں چاہتیں... ان سب سے میرا کیا تعلق بلکہ آپ کا بھی کیا تعلق؟" وہ الجھ کر تفصیل سننے لگا۔

"تمہارا تعلق؟ وہ تمہاری بہن ہیں اور بہن بھی ایسی جس کی اس حالت کا بڑی حد تک میں بھی ذمہ دار ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان کے مشکل دور میں کام آؤں۔" وہ دکھ سے چور چور لہجے میں بولے تو وہ بھی ذرا نرم پڑ گیا۔

"آپ کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"عورت کی بار بھی میں نے یہی سوچا تھا۔ جب اویس نے چپ چپاتے شادی کرلی تو میں نے آپا کو بھی یہی کہہ کر دلاسا دیا تھا اور انہوں نے بھی رشتے کرتے ہوئے مجھ سے پوری چھان بین کروائی تھی لیکن ہوا کیا... انجانے لوگوں سے دھوکا کھایا مجھے۔ اب میں رسک نہیں لینا چاہتا کیونکہ موتی کے بارے میں کیا یوں بھی بہت حساس ہیں۔ ان کے خیال میں اپنی اولاد کے لیے وہ کسی کے آگے جواب دہ نہیں جبکہ موتی کے بارے میں روز حشر انہیں اس کے والدین کو جواب دینا پڑے گا۔ وہ یہی اس سے کہہ رہے تھے۔"

"تو ابو جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ذرا میرے نقطۂ نظر سے بھی تو دیکھیں۔ وہ عمر میں مجھ سے بارہ تیرہ سال تو ضرور چھوٹی ہوگی۔ بہر کیف وہ لفظوں میں محنت کرنے کے بعد اب کہیں فرسٹ ایئر میں پہنچی ہے۔ شکل نہ عقل... آپ کسی بس یونہی احساس جرم کا شکار ہو رہے ہیں۔ پھوپھی اماں کی قسمت میں جو لکھا تھا وہی ہوا۔ عورت کے لیے بھی کسی نے اچھا سوچا کہ اس کی تقدیر۔"

"تقدیر کو سارے الزام دینا درست نہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ آپا نے صرف اویس کی خاطر اپنی منگنی تڑوائی؟ اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ اسی کو پانے کی خاطر انہوں نے بال سفید کر لیے کیونکہ میں [illegible] کی جذباتیت کے زیر اثر تھا۔ صرف اسی وجہ سے انہیں ڈھنگ کا رشتہ نہ مل سکا۔ میں خود کو ان کے سامنے تمام عمر مجرم سمجھتا رہا ہوں۔ خدا کا واسطہ ہے تمہیں اب تو سر اٹھانے دو۔ بہن کے آگے جاتے ہوئے [illegible] کے سلسلے میں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ میں کوشش کروں گا [illegible] کو سمجھا بجھا کے راستے پہ لاؤں۔ ایک ہی بار آ کر [illegible] ادا ہو جائے تو مدد کروں۔ صدف بھی اجالوں میں جائے گی۔ عائف کو اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لوں۔ جب موتی یہاں آ جائے گی تو آپا بھی تیار ہو جائیں گی میرے ساتھ رہنے۔"

"آپ جب کہیے بخوشی کیجیے لیکن میرا مقصد اس ساری پلاننگ سے الگ رکھیے۔ میں کسی بھی حوالے سے شکار ہوں نہ ہی کسی احساس جرم میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے لیے قربانی کا بکرا بنانے کی ضرورت نہیں۔ آپ میرے علاوہ کوئی اور طریقہ ڈھونڈ نکالیں اپنے ازالے کے لیے۔"

وہ کسی طور نہ مانا۔ انکار کی ایک وجہ موتی کے لیے ناپسندیدگی تھی تو دوسری وجہ نیرا کے لیے پیدا ہوئی

تھی کی پسندیدگی تھی۔

نیرا سے اس کی ملاقات چندی شفٹ ہونے کے کچھ عرصے بعد ہوئی تھی۔ وہ راحیل کے کیبن میں کسی فائل کو ڈھونڈنے آیا تھا کہ وہاں کریم اور پنک ساڑھی میں ایک باوقار سی حسین خاتون کو بے تکلفی سے براجمان دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اتفاقاً اس نے انہیں سلام کیا۔ راحیل نے مختصر سا تعارف کرا دیا۔

"ابراہیم! یہ آنٹی ہیں، ساجدہ آنٹی اور آنٹی! یہ ابراہیم علی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی لاہور برانچ سے یہاں شفٹ ہوا ہے۔"

ساجدہ آنٹی یہ جاننے کے بعد کہ وہ یہاں اکیلا ہے، بڑی فکرمند ہوئیں۔ ان کا تردد اور اخلاق دیکھ کے وہ بہت متاثر ہوا۔ یوں بھی خاصا ہوم سک ہو رہا تھا اسی لیے دوسرے تیسرے دن پھوپھی اماں کے گھر بھی چلا جایا کرتا حالانکہ وہاں کا ماحول اس کی تنہائی پسند فطرت پر گراں گزرتا۔ موتی اور اقصیٰ کا بچپنا [illegible] تو کبھی پھوپھی اماں کا درشت آواز میں واویلا "ہائے [illegible]" صدف کی ڈانٹ ڈپٹ اور اگر جو عورت گئی ہوئی تو اس کے میاں اکبر کی جہالت بھری گفتگو اس کے بچوں کی دھینگا مشتی اور موتی کا ننھے ننھے بچوں سے مقابلے [illegible] اسے زہر لگتا لیکن انجانے فرض کی [illegible] کے لیے وہاں جانے پر مجبور ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ تیسرے ہی دن وہ ایک سپر اسٹور میں ساجدہ آنٹی سے دوبارہ اتفاقیہ ملاقات کے بعد جب وہ انہیں ڈراپ کرنے چلا گیا تو ان کے ایک ہی بار کہنے پر چائے پینے اندر بھی چلا گیا۔ [illegible] اس ماڈرن [illegible] آنٹی کو پہلی بار دیکھا تھا [illegible] اور ان کی بیٹی نیرا سے [illegible] تو وہ حیران ہی رہ گیا۔ وہ حسین بھی تھی، طرح دار بھی اور [illegible] بھی۔ ابراہیم نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ اس حسن کے ساتھ یہ [illegible] اور غرور اسے بہت ہی خوب تھے۔ اپنے والدین کی بہ نسبت وہ ذرا روکھے انداز میں اس سے ملی۔ ساجدہ آنٹی نے وضاحت کی۔

"[illegible] ذرا [illegible] ہے... سے جلدی گھلتی ملتی نہیں ہے۔ تم محسوس نہ کرنا۔ آتے جاتے رہا کرو تم سے مل کے مجھے بہت اچھا لگا بلکہ تم اس [illegible] میرے ساتھ کیوں نہیں کرتے؟"

وہ انکار نہ کر سکا۔ پھر اس [illegible] کے بعد جوابی [illegible] بھی تو فرض تھا اس نے [illegible] میں ان کی فیملی کو ڈنر دیا۔ یوں اس تیسری ملاقات میں نیرا کی اس سے دوستی ہو گئی۔ وہ جتنی حد تک سادہ مزاج تھی پہلے پہل اسے اتنا مغرور سمجھا تھا۔ وہ بالکل ایسی نہ تھی بلکہ جلد ہی خاصی بے تکلف ہو گئی۔ زندگی سے بھرپور اس لڑکی کی رعنائی اور دلکشی اتنی پرکشش تھی کہ ساجدہ آنٹی کی طرف سے اسے ایک گرین سگنل تھا۔ آخر وہ روک نہ سکا۔ وہاں ان کے اوپر کے پورشن میں کیا شفٹ ہوا کہ نیرا سے قربت دن بدن بڑھتی چلی گئی اور پسندیدگی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اس بار لاہور جا کر ابو جان سے نیرا کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا کہ ان کا کراچی کے لیے جانے کا ارادہ ہو گیا۔ ابو جان نے پھوپھی اماں کو بھی ساتھ جانے پہ رضامند کر لیا۔ [illegible] کے بعد اس کے پورشن میں انہیں چند گھنٹوں کے لیے ٹھہرنا تھا اور پھر [illegible] سارا [illegible] اور اس کے سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ لیکن ابھی وہ اتنا بے دست و پا نہیں ہوا تھا کہ خاموشی سے ہتھیار ڈال دیتا اس نے ابو جان سے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔

"مجھے آپ کے جذبات کی اور [illegible] بہت [illegible] رہے ہیں آپ مجھے [illegible] مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"

اور اب صدف نے انجانے میں اس کے الفاظ اسے لوٹا دیے تھے۔ وہ اپنے ہی الفاظ کی بے دردی اور بدصورتی کو جانچ رہا تھا اور ساتھ ساتھ صدف کی بات بار بار اس کے ذہن پہ دستک دے رہی تھی۔

"جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے، وہ محبت کا دعوا نہیں کر سکتے اور ایک عزیز چیز کو دوسری عزیز تر ہستی

کے لیے قربانی ہی قربانی ہے۔"

وہ ساری رات سوچتا رہا، عزیز اور عزیز تر میں کیا فرق ہے۔

☼ ☼ ☼

ساری رات کی الجھنوں اور سوچوں کے زیر اثر وہ اتنا ڈسٹرب تھا کہ بار بار موبائل پہ نیرا کا نمبر دیکھ کر بیپ آف کر رہا تھا۔ اس وقت وہ اس کے سوالوں کا جواب دینے کی ہمت خود میں نہ پا رہا تھا۔ تین چار بار کال ملانے کے بعد شاید نیرا تھک گئی تھی یا مایوس ہو گئی تھی یا شاید ناراض ہو گئی تھی جو اس کا موبائل خاموش ہو گیا۔ اس کی ناراضی کے خدشے نے ابراہیم کو مزید مضطرب کر دیا۔ جانتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی جلد آ جاتے تھے اور بس وہ اسی ایک بات سے ڈرتا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کے آنسو دیکھ کے دم توڑ دیتی تھی۔ وہ آنسو بھری شکوہ کناں آنکھیں اس طرح بار بار اس کے تصور میں آتی رہیں کہ شام ہوتے ہی اس نے گاڑی کا رخ سیٹلائٹ ٹاؤن کے بجائے چکلالہ کی طرف موڑ دیا۔ قصداً وہ گھر سے ذرا لیٹ ٹائم سے وہ نکلنے سے پہلے ہی نکل آیا تھا لیکن سارہ آنٹی سے یہ سن کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ سو رہی ہے اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس نے جگانے کو منع کیا ہے۔

"اس وقت؟ یہ کون سا سونے کا وقت ہے؟"

"رات بھر بخار کی وجہ سے جاگتی رہی۔ دن کو نجانے کس بات پہ موڈ خراب کیے رکھا۔ ابھی میں نے زبردستی دوا دے کر سلایا ہے۔ تم کہتے ہو تو جگا دیتی ہوں۔ تمہارے آنے کا سن کر جاگ جانے پہ ناراض تو نہیں ہو گی لیکن کہیں طبیعت زیادہ نہ خراب ہو جائے۔ تم تو ابھی چلے جاؤ گے پھر بے چاری کو پتا نہیں کب نیند آئے۔"

"نہیں رہنے دیجیے۔ میں کل پھر آ جاؤں گا۔"

وہ منع کرتے ہوئے اٹھنے لگا تو سارہ آنٹی نے بڑی اپنائیت سے اس کا بازو تھام لیا۔

"تم دونوں سمجھدار ہو، اپنا برا بھلا خود جانتے ہو اور میں نے تو اپنی بیٹی کو اتنا کونفیڈنٹ بنایا ہے کہ اپنے بارے میں کوئی بھی فیصلہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کر لے لیکن پھر بھی ماں اور سب سے بڑھ کے دوست ہونے کے ناتے میں تم سے اتنا ضرور کہوں گی کہ تم دونوں کے درمیان جو بھی ٹینشن ہے اسے جلد از جلد دور کرنے کی کوشش کرو۔ مجھ سے اپنی بیٹی کی پژمردگی اور مایوسی دیکھی نہیں جاتی۔ جب سے تم اپنے عزیزوں کے گھر رہنے گئے ہو، وہ بڑی ڈری ڈری سی رہنے لگی ہے اور اس کا یہ خوف بجا بھی ہے اگر تم اسی طرح اپنے پیرنٹس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے تو تمہاری اپنی پرسنل لائف کا کیا ہو گا۔ تم تو ان سے اتنی سی بات تک نہ منوا سکے کہ تم اس گندے سے محلے کے ڈربہ نما مکان میں نہیں رہ سکتے تو اپنی پسند کے لیے ان کی رائے ہموار کیسے کرو گے۔ پلیز! اپنے لیے کوئی بولڈ اسٹیپ لینے کی ہمت پیدا کرو۔" انہوں نے زور دے کر کہا اور وہ سر ہلا کے رہ گیا۔

گھر سے کھانا کھائے بغیر نکل آیا تھا۔ بھوک اور سستی سے حالت خراب ہو رہی تھی۔ رات بھر جو ہوئی کے دوران بھی ذہن الجھن کا شکار رہا اور دن کو نیرا کے مسلسل کال کرنے اور پھر بعد میں اسے اگنور کرنے کی ندامت نے پل بھر آنکھ نہ لگنے دی۔ چار پانچ بار چائے پی کر بھوک مر گئی تھی۔ شام کو بھی نیرا کے ساتھ ڈنر کرنے کے ارادے سے گھر سے نکل آیا۔ وہ تو نہ ملی اور آنٹی نے بھی جھوٹے منہ کھانے کو نہ پوچھا۔ اس نے ایک فاسٹ فوڈ کے سامنے گاڑی پارک کی۔ وہ زنگر پیک کروا رہا تھا جب سڑک کے اس طرف ایک بوتیک سے اس نے نیرا کو نکلتے دیکھا۔ وہ مسٹرڈ کلر کے اوپر میرون ٹاپ پہنے ہوئے تھی۔ وہی سرخی مائل چمک دار براؤن بال چہرے پہ پھیلے ہوئے تھے۔ سامنے سے واران کی بڑی سی بس گزری اور کچھ لمحوں کے لیے وہ اسے دیکھنے سے قاصر رہا۔ بس نکل گئی تو وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"شاید میری نظروں کو دھوکا ہوا ہو۔ وہ تو ابھی چند منٹ پہلے گھر میں سو رہی تھی۔ ضرور اس سے ملتی جلتی

کوئی دوسری ہو گی۔" سارا دن اسے حواسوں پہ سوار کرنے کا نتیجہ ہے کہ اب ہر کسی پہ اس کا گمان ہونے لگا ہے۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا اٹھا لائے؟"

آج صبح وہ معمول سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ پہنچا تھا لیکن خلاف توقع صدف گھر پہ تھی اور منہ سر لپیٹے گھر کے جالے جھاڑ رہی تھی۔

"تم ابھی تک گئیں نہیں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"آج سنڈے ہے۔"

وہ پہلے بھی کئی بار بتا چکی تھی کہ ہفتہ اور اتوار چھٹی ہوتی ہے۔ وہی بھول گیا تھا۔ اپنی بات کہہ کے وہ کچن سے فرش پہ رکھے شاپرز دیکھنے لگی جن میں سے پھل، سبزیاں اور دوسری چیزیں جھانک رہی تھیں۔

"میرے ایک کولیگ نے مجھ سے ریکویسٹ کی تھی کہ میں اسے کراچی کمپنی والے جمعہ بازار تک ڈراپ کر دوں۔ اتنا بڑا جمعہ بازار میں نے تو کبھی لاہور میں بھی نہیں دیکھا۔ بے اختیار دل للچا گیا۔ تازہ تازہ سبزی اور پھل خریدنے کو۔ وہاں امی جان کے ساتھ میں ہی جایا کرتا تھا شادمان والے اتوار بازار۔ اس لیے اتنی خریداری کا خاصا تجربہ ہے۔ یہ سب خرید کے ڈکی میں ہی رکھ لیا تھا۔ آج گھر آتے ہوئے سوچا کہ کچھ گوشت مرغی اور مچھلی بھی لے لوں۔"

اس نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ابھی دو دن پہلے اس نے صدف کو تین ہزار پکڑانے چاہے تھے۔

"گھر کے اخراجات کے لیے۔" وہ سادگی سے بتانے لگا۔

"امی سارا انتظام کر کے گئی ہیں۔" وہ جھجک سے بتانے لگی۔

"ہاں لیکن ظاہر ہے میرے یہاں رہنے سے اخراجات تو بڑھے ہوں گے۔ یہ میری طرف سے رکھ لو جتنے وقت تو ہوتی ہوگی اضافی خرچ ہے۔"

"ہمارے ہاں مہمانوں کو بوجھ سمجھنے کی روایت ہے نہ ہی ان سے خرچا وصولنے کی۔" وہ غصے میں آ گئی۔ "آپ براہ کرم یہ رقم اپنے پاس رکھیے۔ ہم اتنے گرے بھی نہیں کہ چند دن کسی مہمان کی مدارت بھی نہ کر سکیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو میں تو..."

لیکن وہ کچھ سنے بغیر ہی واپس پلٹ گئی۔ ابراہیم نے ہار نہ مانی۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ صدف کو گھریلو اخراجات پورے کرنے میں خاصی مشکل پیش آ رہی ہے حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پریشانی اس کی مستقل ہو۔ اور ابراہیم کے آنے سے پہلے بھی وہ کھینچ تان کے گزارا کرتی ہو۔ آخر اسکول کی تنخواہ اور محلے کے بچوں کو ٹیوشن دے کر کتنا کماتی ہو گی لیکن یہاں اسی گھر میں رہتے ہوئے چشم پوشی اختیار کیے رکھنا اسے اچھا محسوس نہ ہو رہا تھا۔ آج اس نے یہ طریقہ نکالا۔ پیسے واپس جیب میں رکھوائے جا سکتے ہیں سامان کیسے بھجوائے گی اور یہی ہوا۔ وہ سرخ چہرے سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔ کہا تو صرف اتنا۔

"میں تمام سودا سلف باقاعدگی سے لے آتی ہوں۔ کبھی گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔"

"میں جانتا ہوں اور یہی مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم جاب سے واپس آ کر بازاروں کی خاک چھانتی پھرو ریڑھیوں پہ بھاؤ تاؤ کرتی رہو۔ عاطف کو تو تم نے بالکل ہی آزاد چھوڑ دیا ہے۔ جب تک کوئی ذمہ داری اس پہ نہیں ڈالو گی۔ وہ کیسے احساس کرے گا۔ مجھے بالکل نہیں پسند تمہارا یوں سارا سارا بوجھ اٹھانا۔ اس لیے ہفتے بھر کا سامان لے آیا ہوں۔ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

اور وہ واقعی خاموشی سے سامان اٹھا کے کچن میں لے گئی۔

"میری جیکٹ کہاں ہے؟" انہوں نے کچن میں بیٹھے

کیو کھاتے عاکف سے پوچھا۔

"وہیں جہاں روز اس وقت ہوتی ہے۔" اس نے منہ سے چیج کے فائر کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھ آیا ہوں' نہیں ملی۔" روز بیج برآمدے میں موجود اسٹینڈ کے اوپر لٹکا تھا اور رات کو جاتے ہوئے وہیں سے اتار کر پہن لیتا تھا۔ دن کے کئی گھنٹے تو سونے میں گزر جاتے' جاگنے پر ہیٹر کے آگے بیٹھ کر کچھ دیر ٹی وی دیکھتا رہتا۔ نہ باہر نکلنا ہوتا نہ ہی جیکٹ کی ضرورت پڑتی۔

"کہاں دیکھا؟"

"وہیں اسی اسٹینڈ پہ۔" ابراہیم نے اشارہ کیا۔

"وہاں تو صبح اور شام کو ہوتی ہے۔ سارا دن جہاں ہوتی ہے وہیں ہو گی۔"

"کیا بجھارتیں بجھا رہے ہو۔ مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے' باہر خاصی سردی ہے۔ کہاں گئی جیکٹ؟" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اسی اثناء میں گیٹ کھلا اور چھلانگ مارنے کے انداز میں موتی اندر آئی۔ ابراہیم کی نظر اس تک گئی۔ کالج یونیفارم پہ وہ اس کی نئی امپورٹڈ لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔

"وہیں جہاں روز ہوتی ہے۔"

عاکف کا جملہ اس پہ پوری طرح عیاں ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ پچھلے دو تین روز سے اس پہ پائے جانے والے ان بنے داغ دھبوں کا سراغ بھی مل گیا۔ اس وقت بھی ایک ہاتھ سے چنے کھاتی اور دوسرے ہاتھ سے گالوں تک آتی موٹی سی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستی ہوئی موتی کی جیکٹ گرد سے اٹی ہوئی تھی جسے کی بقایاجات کو دانتوں سے اچھی طرح کریدنے کے بعد اس نے خالی پیکٹ "راجہ" کے آگے پھینکا اور چاٹ مسالے سے بھری انگلیاں لاپرواہی سے جیکٹ کی سائیڈ سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے سلام جھاڑا۔ جس کا جواب تو خیر ابراہیم نے کیا دینا تھا' دانت کچکچاتے ہوئے اپنی جیکٹ پہ نظریں گاڑے گاڑے کہنے لگا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے اگر زحمت نہ ہو تو کیا آپ یہ جیکٹ اتار دیں گی۔"

جواباً وہ یوں منہ اٹھائے ہونقوں کی طرح تکنے لگی جیسے اس نے اپنی جیکٹ نہیں بلکہ اس کا سفید موتیوں والا کلاہار مانگ لیا ہو۔

"جیکٹ... یہ والی... ابراہیم بھائی کی... جو تم پہن کر گئی تھیں... بلکہ پہن جاتی ہو روز ہی۔"

عاکف نے انگشت شہادت اس کی کنپٹی پہ مار مار کے بات سمجھائی۔ وہ ہڑبڑا کے وہیں جیکٹ کھولنے لگی۔ عاکف برے برے سے منہ بناتے ابراہیم کی طرف مڑا۔

"اس کے یہاں..." وہ دماغ پہ اشارہ کرتے ہوئے بتانے لگا۔ "یہاں زور لگانا پڑتا ہے' باقاعدہ دھکیلیں دینی پڑتی ہیں پھر کہیں جا کے ایک روزن کھلتا ہے اور بات اندر گھس پاتی ہے اور بھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے جیسے میں بات اتر بھی جائے تو عقل شریف تک پہ انگلی دھر کے پوچھتی ہے "اے بن، ہم کون؟"

وہ خراب موڈ کے باوجود ہنس پڑا اور جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ اس وحید مطب کر کے اندر جانے والی [illegible] "جیسی لڑکی کو ابو جان نے اس کے مقدر پھوڑنے کے لیے منتخب کر لیا ہے تو ہنسی وہیں دم توڑ گئی اور رونا سا آ گیا۔

وہ اپنا کمپیوٹر اٹھا لایا تھا لیکن ٹیلی فون کنکشن نہ ہونے کی وجہ سے انٹرنیٹ استعمال نہ کر سکتا تھا۔ ابھی اسی ارادے سے وہ انٹرنیٹ کلب گیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ وہاں لگانے کے بعد جب جانے کے ارادے سے نکلا تو ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ نیرا سے ملے کئی روز ہو چکے تھے' بے ساختہ آئی اس کی یاد نے خود بخود ہی گاڑی کا رخ اس طرف کروا دیا ویسے بھی گھر جانے کا اس کا ارادہ نہ ہو رہا تھا۔ صبح سے ندرت اپنی گڑیا کے ساتھ لگی ہوئی تھی' ببی کی لوریاں' مسلسل بجے چلے جا رہی تھی اور اسکول کے بعد اس کے دونوں چھوٹوں نے بھی یہیں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ آفت قسم کے ان تینوں بچوں سے پہلے بھی وہ بڑا گھبراتا تھا اور سونے پہ سہاگہ ان کے ابا جان اعجاز جو اس قدر بے سروپا گفتگو کرتے کہ وہ عاجز آ جاتا۔ بھی تو اخلاقی بے پکانہ فرمائش کی جاتی کہ "بچے کے

اخبار میں جو خبریں چھپتا ہیں' وہ چلی جائیں تاکہ قرب وجوار میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور باخبری کا رعب جھاڑا جائے اور بھی فلاں ایکٹریس کی شادی شدہ سرخی لگانے پہ اصرار ہوتا جس نے انہیں تنگ کر اف دینے سے انکار کیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"تم انتہائی کم ہمت انسان ہو۔"

پچھلے آدھے گھنٹے میں یہ کوئی بار نیرا نے کہا۔ "اب اگر تم نے اپنے پیرنٹس کے تجویز کردہ رشتے پہ اپنی ناپسندیدگی ظاہر کر ہی دی تھی تو لگے ہاتھوں انہیں اپنی پسند کے بارے میں بھی بتا دینا تھا۔"

"یہ اتنا آسان نہیں تھا نیرا! ایک تو ان کے لیے میرا انکار ہی غیر متوقع تھا اور سے میں نئے انکشافات کیسے کرتا۔"

"تم کہہ کے تو دیکھتے پھر شاید انہیں تمہارا انکار اتنا بے موقع اور بلاوجہ معلوم نہ ہوتا۔ جو یہاں آئے بھی تو تھے' تم میرا تعارف کراتے ہوئے اسی وقت ساری بات انہیں بتا دیتے تو شاید وہ جانے سے پہلے ہی یہ مسئلہ حل کر جاتے۔ تم خود ہی تو بتا رہے ہو کہ وہ لڑکی ذرا بھی خاص نہیں۔ پھر مجھ میں بھلا کیا کمی تھی کہ انہیں کوئی اعتراض ہوتا بلکہ وہ تو خوشی خوشی تمہاری پسند کو اپنا لیتے۔"

نیرا کی خوش فہمیوں پہ ابراہیم بے بسی سے پیشانی مسل کے رہ گیا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ ابھی تو اس نے ہوا تک ہوا نہ لگنے دی تھی کہ وہ کسی کو پسند بھی کرنے لگا ہے' اس کے باوجود نیرا اور سائرہ آنٹی سے متعارف ہونے کے بعد امی اور ابو دونوں کے تاثرات کچھ خوشگوار نہ تھے۔ امی نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"بڑی مکار سی عورت لگ رہی ہے یہ تمہاری آنٹی۔ عجیب سی حرکتیں ہیں بلکہ پورا گھرانہ ہی عجیب ہے۔ اکلوتا بیٹا گھر والا ہے کسی سیٹھ کا چھوٹی بیٹی داماد کی عمر کے بندے سے بیاہی ہے جبکہ چھوٹی والی کچھ زیادہ ہی پھولی بن کے دکھا رہی ہے۔ شوہر ہے تو وہ بھی ذہنی مرید سا۔"

وہ امی کے اس بے لاگ تبصرے پہ جز بز ہو کے رہ گیا۔ انہوں نے ساری عمر ایک مخصوص ماحول میں گزاری تھی۔ اب انہیں انکل اور آنٹی کے زریں اصول و قواعد سے کیا روشناس کراتا بقول ان کے

"ہم نے اولاد کو پوری پوری مکمل آزادی دی ہوئی ہے۔ اولاد کو اپنی اپنی لائف جان کے اپنی مرضی سے چلانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ یہ پیار نہیں بلکہ بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ احتشام میرا اکلوتا بیٹا دل تو نہیں چاہتا تھا ایک پل کو بھی نظروں سے اوجھل رہے لیکن وہ سمن سے بھی تو بے تحاشا محبت کرتا تھا اور سمن کے پیرنٹس کو اکلوتی بیٹی کے لیے ایسا شوہر چاہیے تھا جو ان کا گھر داماد بن کے رہے۔ ہم نے خود غرضی سے کام نہ لیا اور خوش دلی سے اسے وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر اپنی دوست افروز کے تایا احمد یار خان کو پسند کرنے لگی جو عمر میں اس کے والد کے برابر ہیں۔ عشق اندھا ہوتا ہے' ہمارے سمجھانے بجھانے بھی وہ نہ مانی پھر ہم نے محسوس کیا کہ خان صاحب خاصے مخلص انسان ہیں اور عمروں کے فرق کے باوجود دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ غضب کی ہے۔ بڑا فیصلہ کیا کہ لوگ کیا کہیں گے اور جگ ہنسائی وغیرہ کے خوف کو پرے جھٹکتے ہوئے ہم نے خود ہی فیصلہ کیا جس میں میری بھی خوشی تھی۔"

اسے سائرہ آنٹی کی وہ گفتگو یاد آئی جو پہلی بار ان کے گھر آنے پہ کی تھی لیکن وہ اسے امی جان کے سامنے دہرانے سے باز رہا انہوں نے تو ایسی روشن خیالی پہ چار حرف بھیجنے تھے۔

"کیا سوچنے لگے؟" نیرا نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

"ہوں... کچھ نہیں۔"

"دیکھ رہی ہوں۔ تم کچھ زیادہ ہی کھوئے کھوئے رہنے لگے ہو۔"

وہ اس کی قیاس آرائی کو جھٹلا نہ سکا۔ آج کل واقعی ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچھ روز قبل تک وہ کتنا مگن تھا۔ روٹین کتنی تسلی بخش تھی۔

عرصے تک امی اور ابو کے سخت حفاظتی اقدامات والے لاڈ پیار میں رہنے کے بعد یہ نئی نئی آزادی اسے ہواؤں میں اڑانے لگی تھی۔ وہاں تو اگر کسی کلاس فیلو لڑکی کا فون بھی بھولے بھٹکے سے آ جاتا تو باقاعدہ تفتیش شروع ہو جاتی حالانکہ کو ایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود اس کی کسی بھی لڑکی سے اس قسم کی دوستی نہیں تھی۔ یہ تو بس نیرا ہی کی ہوا تھی فطری بے ساختگی اور اپنائیت کی وجہ سے اتنی جلدی اس کے قریب آ گئی تھی وہ تو پہلی ہی نظر میں ہی اس کے حسن سے گھائل ہو گیا تھا لیکن اگر نیرا پیش قدمی نہ کرتی تو وہ یونہی دل ہی دل میں اس حسن کو سراہتے ہوئے دوستی کی حسرت سمیٹے رہ جاتا جیسا کہ اس سے پہلے بھی دو بار ہو چکا تھا۔ لیکن اس بار ایسا نہ ہوا اور وہ اپنے دل کو زیادہ دیر تک بھٹکنے میں مقید نہ رکھ سکا۔ کتنے خوش گوار شب و روز تھے گھر میں نہ ہوتے ہوئے بھی گھر جیسا سکون و آرام لیکن گھر والی روک ٹوک مفقود تھی۔

صبح صبح جب وہ لوٹا تو نیرا کالج یونیفارم میں تیار بیٹھی اسی کی منتظر ہوتی۔ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہی ابراہیم کی ساری کوفت ہوا ہو جاتی۔ اور پھر آنٹی کا اصرار کر کے پُرتکلف ناشتہ کروانا۔ ایک لمبی سی نیند سے فارغ ہوتے ہی بھرپور شام اس کا انتظار کر رہی ہوتی۔ وہ دونوں اور نیرا اسلام آباد، راولپنڈی اور آس پاس کا کوئی مقام انہوں نے نہ چھوڑا تھا۔ لانگ ڈرائیو، میوزک کنسرٹ، شاپنگ، فلمیں، فائیو اسٹار میں ہوٹلنگ۔

کیا مزے تھے اور امی ابو نے جیسے آ کر ایک خواب سے جگا دیا تھا۔ نیرا جیسی زندگی سے بھرپور لڑکی کے ساتھ نے اس کے اندر ایسی ہی بھرپور زندگی جینے کے خواب جگا دیے تھے جبکہ امی... ابو نے سوئی کا عالم اس کے ساتھ ہے کر اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ امی کی مرضی کے بغیر وہ کبھی بھی اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے... وہ کوئی بے زبان مشرقی دوشیزہ نہیں جس کا ہاتھ چپ چاپ کسی دوسرے کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔ وہ احتجاج کر سکتا تھا اور کر رہا تھا لیکن ایک بے چینی تھی... ایک اضطراب تھا جس نے اس کی ذات کا احاطہ کر رکھا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس مسلسل بے چینی کی وجہ سے وہ ابو جان کے جانے کے بعد بھی نیرا کے ساتھ اور قربت میں وہ سرشاری محسوس نہیں کر رہا۔

"کیا کچھ نہیں... کچھ تو ہے۔ جو بار بار تمہارا دھیان بٹ جاتا ہے۔" نیرا نے پھر تفتیش کرنا چاہی۔ اس نے بمشکل یہ کہہ کر ٹالا۔

"نہیں یار! بس ذرا اپ سیٹ ہوں۔"

"وہ تو ہو گے ہی۔ تم ان کمفرٹیبل فیل کرتے ہو گے تم اس پرانے سے محلے کے تنگ سے مکان میں۔ اگر اتنا ہی ضروری تھا ان نیچے منشی کی خبر گیری کرنا تو وہ آ جاتے یہاں تمہاری سرپرستی میں۔ تمہیں بے آرام کرنا بہت ضروری تھا۔" وہ تنک کے بولی۔

"صدف جاب کرتی ہے۔ اس کا اسکول یہاں سے بہت دور پڑتا اور شام کو محلے کے کتنے ہی بچے اس سے ٹیوشن بھی پڑھتے ہیں۔ ان کا حرج بھی ہوتا۔"

"کون صدف؟ وہ والی؟" نیرا نے مشکوک سا ہو کے پوچھا تو یہاں وہ ٹینشن کے ابراہیم کو اس کی فکر مندی پہ ہنسی آ گئی۔

"نہیں یار! وہ تو ایکدم فضول سی لڑکی ہے۔ فرسٹ ازفول... وہ کہاں اور چھتک کہاں۔ اسے تو بچوں سے ریسلنگ کرنے سے فرصت نہیں پڑھانے کی کیا خاک' صدف پھوپھی جان کی بیٹی ہے اور ہاں۔ انگیجڈ بھی ہے۔"

اس نے فوراً ہی بتا دیا کہ کہیں وہ شک کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس بے ضرر سی لڑکی کو بھی نہ گھسیٹ لے۔

"تو ہاں کھانا کیا خاک آرام کر پاتے ہو گے تم۔ بھانت بھانت کے بچے اور وہ بھی سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے' تمہارے سر پہ ناچتے ہوئے بچہ کا بیمارا رہتے ہوں گے کتنا عجیب سا ماحول ہو گا وہاں کا۔ نجانے تم کیسے ایڈجسٹ کرتے ہو گے مجھے تو سوچ سوچ کر پریشانی ہوتی ہے۔ بہت تکلیف ہوتی ہو گی ناں وہاں رہ کے تمہیں۔"

اس نے ابراہیم کے شانے پہ ہمدردی سے ہاتھ رکھتے ہوئے لہجے میں زمانے بھر کی درد مندی سموتے ہوئے پوچھا تو وہ چاہتے ہوئے بھی رد نہ کر سکا کیونکہ اس کی بات جھٹلائے جانے کا ردعمل خاصا خوفناک ہو جاتا تھا اس لیے "ہوں" کہہ کر چپ ہی رہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ یہ ساری اجنبیت اور تکلیف بس پہلے ایک دو دن کی بات تھی اور وہ بھی صرف اس کے اپنے گریز طبیعت کے تکدر کی وجہ سے ورنہ صدف اور امی نے اسے ہر ممکن آرام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں اب باقی کے دن تم انہیں خود ہی اپنی دیکھ بھال کر لینے دو۔ آخر تمہارا اپنا آرام بھی تو ضروری ہے۔ تم یہیں چلے آؤ، تمہارے فادر پوچھیں گے تو کہہ دینا کہ تمہاری صحت اور کام دونوں پہ اثر پڑ رہا ہے۔ آخر انہیں تمہاری بھی تو فکر ہونی چاہیے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں... نیرا! میں ٹھیک ہوں۔ ڈونٹ وری۔"

"ضروری کیسے نہ کروں اور میں نہ کروں تو اور کون ہے جو تمہارے لیے کچھ سوچے۔ تمہاری امی تو الف جاب ہے۔ تمہیں بالکل ریلیکس رہنا چاہیے۔ اتنی ٹینشن تمہارے کام پہ اثر ڈالے گی۔ تم بتا رہے تھے کہ تمہاری پروموشن ہونے والی ہے اس کا کیا بنا؟"

ابراہیم نے موضوع بدل جانے پہ اللہ کا شکر ادا کیا اور بتانے لگا کہ چیف ایڈیٹر اس کے کام اور صلاحیتوں سے کس حد تک مطمئن ہیں اور شام کا روزنامہ اس کی زیر ادارت نکالنے کے پلان پر کام ہو رہا ہے۔

"واؤ گریٹ! یہ ہوئی ناں بات۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ تم بہت آگے جاؤ گے۔ بہت سی رفعتیں... بہت بڑا نام... اور بہت سا پیسہ۔ واؤ... بس اب جلدی سے تم اس دنیا کی گلی سے نجات حاصل کرو۔ یہ تمہارے اسٹینڈرڈ سے میچ نہیں کرتی۔ تم تو کم از کم ہنڈا اکارڈ میں ہو گے۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" اسے چپ کرانے کو یہ اقرار کرنا ہی پڑا۔

"اچھا کیوں ہے ایسا کرو، یہ بھی رکھ لو۔ کم از کم مجھے صبح اور وہ سرس پہ کچھ آ جانا نہیں پڑے گا۔"

اس نے کمال بے تکلفی سے کہا تو ابراہیم کچھ کہہ نہ سکا اور ساتھ ہی اسے کچھ دن پہلے کا واقعہ یاد آ گیا جو وہ نیرا سے پوچھتے پوچھتے رک گیا کیونکہ اسے خود یقین نہ تھا۔ اس دن شاپنگ سینٹر سے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اٹھائے ایک نوجوان کے ساتھ باہر نکلتی وہ نیرا ہی تھی کیونکہ دس بارہ منٹ پہلے آنٹی نے اس کے سونے کی اطلاع دی تھی۔ ظاہر ہے وہ اس کی نظر کا دھوکا ہی تھا یا پھر حد سے زیادہ مشابہت۔ اس کا ذکر کر کے وہ نیرا کی ناراضی مول لیتا تھا۔ وہ تو بھڑک جاتی یہ سنتے ہی کہ اس نے اس کی ممی کے بیان کو جھوٹ کہا۔

"اور تم تو کبھی نہیں بھڑکتے جب وہ کھلم کھلا تمہارے ابو جان کے خلاف تمہیں بھڑکاتی ہے۔"

اندر سے کسی نے بڑی ناراض سی آواز میں جتا کر کہا تو وہ چونک پڑا۔

"ہاں... ہاں کیا ہے وہ... کس بات سے جو مجھے اتنے دنوں سے بے چین کیے جا رہی ہے۔ نہ جانے کون اندر میری ہر بات... جھلا کے جواب دیے جاتا ہے۔" وہ مضطرب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے ابھی سے چل دیے۔ میں نے تو پاپا اور ماما سے کہہ بھی دیا کہ ہم ڈنر کرنے جا رہے ہیں اور یہ بھی کہ وہ مجھے ڈراپ کر کے ہی واپسی پہ ان کے لیے پیک کروا لاؤں گی۔"

"نیرا... پلیز ڈونٹ مائنڈ، میری طبیعت ٹھیک نہیں، میں باہر سے کچھ کھانا نہیں چاہتا۔ پھر کسی دن۔"

"اوہ! مچل کیپیکس میں آج شاہد ارفو فیسٹیول لگا ہے۔ آج لاسٹ نائٹ ہے پھر ایسا کرو مجھے... حرم ٹاؤن ڈراپ کر دو۔ میں اپنی فرینڈ کے ساتھ ہی چلی جاؤں۔ تین دن سے وہ مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہی ہے۔ حرم میں تمہارے ساتھ جانا چاہ رہی تھی۔ اس لیے ٹالے گئی۔ چلو اب کم از کم ان ہی کے ساتھ چلی جاؤں۔ تمہیں تو نجانے کیا ہو گیا ہے اتنے دنوں بعد آئے ہو اور وہ بھی

اپنے آف موڈ کے ساتھ۔"

وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی۔ نیا نیلا پیپر ڈاگرین اور بلیک پوچ اٹھا کے اندر جھانکنے لگی تو ابراہیم سمجھ گیا اب اسے ڈراپ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ گرین جینز پہ بلیک اور سلور سلیولیس ٹاپ تھی۔ اگرچہ ہیڈ والے بیڈ روم سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے بلیک کوٹ سا پہن لیا تھا لیکن ٹاپ کا حد سے زیادہ کھلا گریبان اور ٹانگوں پہ چپکی ہوئی جینز سر تو تھی کے لیے نا قابل لگ رہی تھی۔ وہ ٹوکنا چاہتا تھا کہ نیرا کے اگلے سوال نے اسے بری طرح چونکا دیا۔

"مجھے تو تھوڑے فنڈز دو۔"

"واٹ؟"

"تو تھوڑے فنڈ... او تل نے... تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں نے نجانے کیا کچھ مانگ لیا ہو۔ ظاہر ہے اچھے منگے تو فیسٹیول میں جا رہی ہوں۔ میری پاکٹ منی تو تم جانتے ہی ہو کیا ہے۔ مما بے چاری خود پیا کے گھر بیٹھے رہنے سے پریشان رہتی ہیں۔ ان سے کیا مانگوں؟"

ابراہیم نے جیب سے چپ چاپ ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کے اسے تھما دیے مگر سارے راستے کوئی بات نہ کی۔ جو بھی کھٹکتی وہی اندر سے بار بار کوئی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا لیکن وہ سختی سے اس آواز کا گلا گھونٹ دیتا۔ جو بھی تھا وہ نیرا کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات دل میں لانا تک نہ چاہتا تھا۔ لیکن کچھ تھا... کچھ تھا جو کھٹک رہا تھا... شاید بیٹی... سب سے پوش ایریا میں موجود بنگلوں کے خوبصورت بنگلے کا ہونا... اور اس بنگلے میں رہنے والی فیملی کے سرپرست کا ہر وقت ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کے بیٹھے رہنا... کسی معقول آمدنی کا ذریعہ نظر نہ آنے کے باوجود ان سب کے شاہانہ رہن سہن کے انداز... یا پھر نیرا کو ماں باپ سے ملنے والی حد درجہ آزادی اور چھوٹ...

پہلے پہل اسے یہ آزادی بڑی بھلی لگی تھی۔ بغیر کسی ٹوکے کے وہ دیر رات گئے تک گھومتے ہوئے لے کر اسلام آباد کی خوبصورت سڑکیں... پھرا تھا اونچے سے اونچے ریسٹورانٹ میں کافی پی تھی، پی سی کے بوفے لان میں ڈنر کیے تھے لیکن جب سے اس نے نیرا کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا تھا اسے یہ بے وقت بے تکلفی کھٹکنے لگا تھا۔ نیرا کی بے تکلفی اسے کبھی بری نہ لگی تھی لیکن ریحانہ آنٹی کا بلا تردد اس سے کچھ بھی مانگ لینا اسے کھلتا تھا۔ وہ باہر جا رہا ہوتا اور انکل آوازیں لگاتے۔

"فلاں سی ڈی فلاں مووی لیتے آنا..." "بیٹا" آنٹی نکلتے ہوئے یہ اسٹور سے لانے والی گروسری کی لسٹ تھما دیتیں... کبھی کبھی بل بھی جمع کرانے کو دے دیتیں... صرف بل... اسے یہ سب پہلے برا محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ اسے اس فیملی کی اپنائیت... محمول کرتا رہا لیکن جب سے وہ پھوپھو کی جان کے گھر گیا تھا جو حقیقتاً اس کے اپنے تھے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اپنائیت کا اظہار رکھ رکھاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے بغیر اپنے وقار کو ٹھیس لگائے۔

☼ ☼ ☼

"ہائے... ہائے ممی... میں مر گئی... اف۔"

آج اتوار کا دن تھا "عموماً" وہ ساڑھے آٹھ بجے سو تو جاتی وہ بچے تک ہی جاگتا لیکن اتوار کو ٹیوشن پڑھنے والے بچے دن کو گیارہ بجے بھی آجاتے اور ان کی آوازوں سے اس کا دیر تک سوئے رہنا دشوار تھا حالانکہ صدف کافی کنٹرول رکھتی تھی بچوں پر لیکن پھر بھی اسے چھوٹے سے گھر میں اتنی خاموشی رہ سکتی تھی۔ اس کی نیند تو یوں بھی کھل گئی۔ رنگ اسے موتی آ کھولے ابھی چھٹی کا دن منایا کرتی بیچارہ لگے پہلے بھی اس کی نیند نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت بھی ابراہیم ناشتے کے بعد گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتا ہوا صحن میں بیٹھا عاکف سے گپ شپ کر رہا تھا کہ موتی کی ہائے ہائے نے دہلا کے رکھ دیا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ شاید صدف سے پڑھنے کے لیے آئے بچوں میں سے کسی کے ساتھ معرکہ ہوا ہے لیکن اگر ایسا ہوتا تو آواز

موتی کے بجائے ان میں سے کسی ایک کی آتی کہ ہمیشہ زیادتی موتی کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

"کیا ہوا؟" صدف بھی بوکھلا کے اندر بھاگی۔ ابھی کچھ لمحے پہلے تو وہ کمبل میں بگل مار کے لیٹی موتی کو بلا بلا کے جگانے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد کمرے سے نکلی تھی۔ ابراہیم بھی چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ کے اندر دیکھنے لگا۔ عاکف البتہ بڑے اطمینان سے اخبار کے پیچھے گم ہو گیا۔

"ہائے میرا سر... ہائے میرا پیر۔"

"کیا ہوا ہے سر کو کیا ہوا ہے پیر کو؟ اور پیر ہم کریں کیسے؟"

"آپی دیکھ نہیں رہیں۔ میرا اٹھنا ہوا تھا... اٹھ کے ابھی دو ہی قدم چلی تھی کہ دھڑام سے گر گئی۔ نجانے کس نے دوپٹے سے میرا پیر باندھ کے دوپٹے کا دوسرا کونا پلنگ کے پیرے سے باندھ دیا۔ پیر بھی مڑ گیا اور سر بھی اتنے زور سے سامنے کرسی پہ لگا۔"

اس کے رونے چلانے پہ ابراہیم نے سامنے بیٹھے عاکف کے چہرے سے اخبار ہٹایا۔ وہ مسکرائے چلا جا رہا تھا۔ راز کھلنے پہ کھلکھلا کے ہنس پڑا۔ ابراہیم نے بلند ہی سے ہونٹ بھینچ کر بے ساختہ وارد ہوئی مسکراہٹ پہ قابو پایا اور اسے تنبیہی نظروں سے گھورنے کی کوشش کی لیکن اندر ہونے والے سین کے تصور ہی نے اسے ایسی گدگدی کی کہ نظروں سے بھی گدگداہٹ اڈے نکلی جا رہی تھی۔ اسی لیے عاکف نے ذرا بے پروائی کی جھلک سے اور اکسایا۔

"ہنسنے والی بات ہے بھائی ہنسیں نا۔"

اور وہ بھی اس کے قہقہے میں شریک ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ عاکف کو اس کی غیر ذمہ داری اور لاپروائی پہ ٹوکتے ہوئے اپنے مخصوص لہجے سے مستفید کر رہا تھا کہ کئی دن کے بعد آج اسے یہ موقع ہاتھ لگا تھا سو اس نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا سوچا۔ عاکف کے موقف کا بھی پتا چلا۔

"ابراہیم بھائی! میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں کوئی بہت ذہین و فطین یا انٹیلی جنٹ تو تھا نہیں کہ اسٹریٹ لائٹس کی لو کی میں بیٹھ کے پڑھنے کے بعد نامور سرجن بن سکے ابھر آتا یا پھر صبح اخبار بیچ کر اور شام کو ٹریفک سگنل کے قریب موتیے کے گجرے بیچ کر بھی پائے کا بزنس مین بن جاتا۔ لیکن ایسا ابھی نہ تھا کہ میں پڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔ موقع تھا، حالات اجازت دیتے تو شاید کچھ بن ہی جاتا۔ میں جانتا ہوں ٹاٹ کے اسکولوں سے بھی نکلے تھے نامور سائنس دان صحافی اور ادیب نکلے ہیں لیکن بھائی وہ اور زمانہ تھا۔ اب ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج کے انجینئرز ڈاکٹرز ہائی کوالیفائیڈ ہوتے ہیں تو وہ بھی فارن سے۔ میرے لیے ابا جی مجھے پیلی دیواروں والے اسکول میں ہی پڑھا سکتے تھے۔ میں واجبی سا طالب علم تھا۔ بل کھل کے (بمشکل) پاس ہی ہوتا رہا۔ صدف آپی تو خاصی لائق فائق ہیں۔ میٹرک میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی لیکن کیا فائدہ... میڈیکل میں پڑھانے کے وسائل تو تھے نہیں بی ایس سی بھی انہوں نے ٹیوشنز پڑھا پڑھا کے کیا۔ میں تو یہ بھی نہ کر سکا۔ میٹرک میں اتنے نمبر ہی نہ آئے کہ جنرل سائنس لیا کامرس میں بھی چیلنجز... رکھ لیتا آرٹس میں ہسٹری اور سوکس جیسے مضامین کے ساتھ بی اے کر لیا۔ بی اے کرنے کے بعد میرے لیے کیا ملازمت بچتی ہے۔ لڑکیاں پھر اچھی رہتی ہیں۔ بی گریڈ بلکہ سی گریڈ میں بھی بی اے اور ایف اے کرنے کے بعد گلی اور محلوں میں کھلے چھوٹے موٹے اسکول انہیں کھپا ہی لیتے ہیں۔"

"تنخواہ کیا لیتی ہوں گی وہ ان اسکولوں سے۔ ہزار... بارہ سو؟ پھر کتنی ایسی ہیں جو اپنی فیملی کی کفالت کرتی ہیں؟ زیادہ تر تو شوقیہ یا پھر نام کمانے کے لیے ٹیچنگ کرتی ہیں۔ مردوں کا ایک اپنا کردار ہے سوسائٹی کے سیٹ اپ میں۔ انہیں اپنی پلاننگ ایسی کرنی چاہیے کہ ایک واضح راہ نظر آتی ہو۔ تمہیں پتا تھا کہ تم اس گھر کے واحد کفیل ہو۔ تمہیں ابتدائی سے..."

"مگر کیسے...؟ یہی تو سوال ہے کہ کیسے؟" وہ بات کاٹ کے چلایا تھا۔ "مجھے ٹیوشن کی ضرورت تھی اکیڈمیوں کی فیس نہیں بھر سکتے تھے۔ کالج میں بیٹر کسی کس چاہیے ہوتی تھیں۔ وہ میں سیکنڈ ڈویژن بھی

نہیں خرید سکتا تھا۔ کیسے میں لاء کالج یا انجینئرنگ یونیورسٹی تک پہنچتا۔ اور اب اس فضول سی ڈگری کے ساتھ کوئی مجھے کلرک کی جاب بھی نہیں دیتا' اس کے لیے بھی لوگ تجربہ مانگتے ہیں۔ بتایئے' وہ کہاں سے لاؤں' کس بینک میں ڈاکہ ڈالوں اور تجربہ اڑا لاؤں؟"

"پھر بھی تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ ایسا کب تک چلے گا۔ پھوپھی اماں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہتی ہیں' برا مت ماننا' میں تمہارے ذاتی معاملے میں دخل دے رہا ہوں لیکن ایسا کرنے کو مجھے ابو جان نے یعنی تمہارے ماموں نے کہا تھا' وہ خود تمہیں کہنے کا حق رکھتے ہیں مگر ان کے خیال میں تم میرے سامنے زیادہ ایزی ہو کے بات کر سکو گے' اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے کیا کہنا ہے بھائی اور کیا کرنا ہے۔ رہا سوال برا ماننے کا تو ایسا میں کیوں کروں گا۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ باز پرس کا پورا حق رکھتے ہیں مجھے تو اچھا لگا آپ کا اتنی اپنائیت سے یہ بات کرنا لیکن کیا کروں' آپ کی ساری باتیں درست لیکن میرے سامنے کوئی راستہ بھی تو نہیں۔ ابا جی کوئی لمبا چوڑا کاروبار تو چھوڑ نہیں گئے تھے جو میں وہ آگے بڑھا لوں' ایک معمولی سی کریانے کی دکان تھی جو ان کے بعد امی نے کرائے پہ چڑھا دی۔ اب میں کم از کم وہاں بیٹھ کے ساری عمر تیل اور مسالے تو نہیں بیچ سکتا مجھے معمولی کام کرنے سے انکار نہیں مگر ترقی کا کوئی چانس بھی تو ہو۔ ابا جی مرنے سے پہلے تو اس دکان سے نہ نکل سکے تھے۔ دوسرا کوئی کاروبار شروع کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہاں سے لاؤں سرمایہ......"

ابراہیم کو اس کے سوال پہ ابو جان کی وہ بات یاد آ گئی کہ وہ عاکف کو اپنے کاروبار کی ذمہ داریاں سونپنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بظاہر اسے بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ اگر وہ بزنس مائنڈ نہیں ہے اور اپنی فیلڈ میں اس کی ترقی کے روشن امکانات اسے نظر آ رہے ہیں تو اسے کیا حق ہے ابو کے محنت سے بنائے بزنس اسٹیٹس کو ملیا میٹ کرنے کا۔ برسوں بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ اگر عاکف جیسا گھر کا بندہ ان کا بازو بن جائے تو ان کی مایوسی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور بزنس کے کام آ کے ان کی خود ساختہ پشیمانی بھی مٹ جائے گی' ابھی وہ عاکف کو اس طرف لانے کے لیے بات کرنے کی تمہید باندھنے ہی والا تھا کہ موتی بیچ میں ٹپک پڑی۔ ماحول کی ساری سنجیدگی قہقہوں میں اڑ گئی۔ موتی لنگڑاتی ہوئی پل میں ان کے سامنے موجود تھی۔ عاکف کے بلند و بانگ قہقہے اسے سمجھا گئے تھے' یہ حرکت کس کی تھی۔ اب وہ تقریباً اس پہ پل پڑی تھی۔

"تم...... ذلیل انسان...... کمینے...... جانے نہیں کیوں میرے پیچھے پڑے رہتے ہو' اگر میری ٹانگ ٹوٹ جاتی؟ اگر میری آنکھ پھوٹ جاتی؟"

"تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی...... چار چاند لگ جاتے تمہاری بے مثال شخصیت میں۔" وہ ڈھیٹوں کی طرح ہنستا رہا۔

"آنے دو چچی کو' تمہاری ٹانگیں تڑواتی ہوں۔" اس نے "تڑی" لگائی۔

"توڑنے تڑوانے کے علاوہ کوئی کام آتا ہے تمہیں۔ کبھی کچھ جوڑنے کی' کچھ ملانے کی باتیں بھی کر لیا کرو۔"

وہ بڑبڑایا تو موتی ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتی خاموشی سے پلٹ گئی۔ ابراہیم نے اس کی پسپائی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے سامنے دیکھا تو عاکف بھی ہارا ہوا سا لگ رہا تھا' اسے متوجہ دیکھ کر خواہ مخواہ دانت نکالنے لگا۔

"عجیب تماشا ہے یہ بھی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔"

"کیوں اتنا ستاتے ہو بیچاری کو۔" اس نے کریدنا چاہا۔

"دیکھ لینا۔ اس سے زیادہ میں ستا ہی نہیں سکتا۔" فوراً جواب ملا۔

"ستا سکتے ہو۔ اگر اس سے تمہاری شادی کروا دی جائے۔"

یہ جملہ اتنا اچانک تھا کہ عاکف اپنے تاثرات پہ قابو

تک نہ پایا تھا حالانکہ اس فن میں اسے کمال حاصل تھا اور اس کمال کے مظاہرے ابراہیم کتنی ہی بار دیکھ چکا تھا۔ اس کی حیرت بھری خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"بچپن کی محبتیں بڑی زور آور اور شدت پسند ہوتی ہیں۔ یہ تم ہی نے کہا تھا۔"

"وہ تو میں نے اپنی اور رابعہ کی محبت کے بارے میں کہا تھا۔" وہ صاف مکر گیا۔

"بکواس مت کرو' میں سب جانتا ہوں۔ ایک طرف اپنائیت اور دوستی کے دعوے کرتے ہو' دوسری جانب خود کو چھپا چھپا کے رکھتے ہو۔"

"پھر کیا کروں' عیاں کرنے کو اور ہے ہی کیا۔ یہ نامکمل' ناکام سا ہوں۔"

"عجیب انسان ہو تم۔ یہ ناکامیاں کوئی تم مقدر میں تو لکھوا کے نہیں لائے اور وہ کون سا کوئی کہیں کی شہزادی ہے یا پری زادی۔ گھر کی ہی بات ہے اچھا ہے گھر میں نمٹ جائے۔"

"آپ نہیں جانتے' امی نے اس کے بارے میں کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے ہیں۔ وہ اس سے محبت کرتی ہیں ہاں اور۔۔۔ اور میں بھی۔۔۔"

اس نے سر جھکا کے اعتراف کیا۔

"ہم سب اسے چاہتے ہیں' اسے سنبھال کے رکھتے ہیں۔ امی کی بھی یہ خواہش مان لیں کہ لوگ کیا کہیں گے' ساری عمر لاڈ پیار سے پالا اور اپنے گھر کے لڑکے کے پلے باندھ دیا۔ انہوں نے ماموں جان سے بات کی ہے کہ وہاں لاہور میں اگر کوئی رشتہ ہو تو بتائیں اور انہوں نے امی سے وعدہ بھی کیا ہے۔ وہ بہت خوش ہیں کہ موتی کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہنستا بستا دیکھ سکیں گی۔ میں اپنی خواہش کا اظہار کر کے کیسے انہیں امتحان میں ڈالوں۔ ساری عمر انہوں نے پلڑا برابر رکھا ہے' کہیں میری محبت حاوی ہو کے ان سے بے ایمانی نہ کروا لے۔ میں انہیں اللہ کے سامنے شرمندہ نہیں کرانا چاہتا۔"

ابراہیم ششدر بیٹھا اس بے پروا سے نظر آنے والے ناتجربہ کار لڑکے کی باتیں سنتا رہا۔ یہ فلسفہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"لیکن اگر تم چاہو تو ہمت کر کے۔۔۔ میرا مطلب ہے حالات سدا ایک سے نہیں رہتے۔ ہو سکتا ہے اللہ نے تمہارے حصے کی خوشیاں اس کے مقدر سے باندھ رکھی ہوں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔ مکمل مایوس تو میں بھی نہیں۔ اللہ کے در سے امید تو ہے' لیکن اس امید کے سہارے کسی معصوم کی زندگی کو داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔ امی جان مدت کا دکھ جھیل رہی ہیں' صدف کا معاملہ بھی سالوں سے لٹکا ہوا ہے۔ ایسے میں اگر موتی۔۔۔ اور وہ بھی میری وجہ سے۔۔۔ اگر کچھ غلط ہوا تو وہ مجھے تو بھلے معاف کر دیں۔ خود کو بھی نہ کر سکیں گی۔ میں تو اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جو اس کے اور میرے حق میں بہتر ہو وہی کرے۔ ہو سکتا ہے' جلد ہی ماموں جان کی وساطت سے کوئی بہترین شخص اس کا مقدر بن جائے۔ یقین کریں مجھے بھی اتنی ہی خوشی ہو گی جتنی کہ امی جان کو۔"

وہ نم پلکیں تیزی سے جھپکتا ہوا ابراہیم کو بڑا اونچا اونچا سا لگا۔

"اور اگر قسمت کی طرف سے ہی دیر ہو گئی اور اس کی شادی ہونے سے پہلے پہلے میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو گیا تو میں سمجھوں گا اللہ نے اسے میرے لیے منتخب کر رکھا ہے لیکن اس سے پہلے نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ ورنہ ہر محرومی پہ' ہر کسک پہ یہ مجرمانہ احساس مجھے گھیرے گا کہ شاید وہ اس سے بہتر کی مستحق تھی اور میں نے جلد بازی میں مداخلت کر دی۔"

ابراہیم اتنا متاثر ہوا کہ اس سے ابو جان اور ان کے بزنس والا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ صدف کی آواز نے بھی توجہ بانٹ لی۔

"کوثر خالہ اسپتال سے گھر آ گئی ہوں گی؟"

"آج نہیں' لیکن میرا خیال ہے آ گئی ہوں گی۔ کل جب میں انہیں دیکھنے اسپتال گیا تو ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ آج صبح تک ڈسچارج ہو جائیں گی۔"

"اچھا۔ میں انہیں دیکھ کے آتی ہوں۔ امی ہوتیں تو اب تک کئی چکر لگا چکی ہوتیں۔"

اس نے بڑا سا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹنے کے بعد ٹوکری اٹھائی جس میں کینو اور سیب سلیقے سے لگے ہوئے تھے۔

"کہیں دور جانا ہے؟" ابراہیم نے اس کے گرد مضبوطی سے لپٹے دوپٹے کو دیکھ کے یونہی پوچھا۔ اسکول جاتے ہوئے وہ اس دوپٹے سے بڑی چادر اوڑھا کرتی تھی اور اس سے بھی پہلے سر پہ ایک سیاہ اسکارف باندھا کرتی تھی جس سے اس کے سر کے بال تک چھپ جایا کرتے۔ یہ اہتمام غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ بس اور ویگن پہ اترتے چڑھتے ہوئے چادر سرک جانے سے وہ بے پردہ نہ ہو۔

"نہیں۔ یہ برابر والے گھر تک جانا ہے۔ خالہ کا گردے کا آپریشن ہوا ہے۔"

وہ چلی گئی اور ابراہیم کو کچھ دیر پہلے عاکف کا صدف کے بارے میں کہا گیا جملہ یاد آیا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے صدف کے متعلق کہ اس کا معاملہ سالوں سے لٹکا ہوا ہے۔ پھوپھی اماں نے تو ابو جان کو یہی بتا رکھا ہے کہ وہ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہے۔"

"ہے نہیں تھی۔ نجانے امی جان کس آس پہ اب تک 'تھی' کو 'ہے' کہنے پہ بضد ہیں۔ شہزاد کینیڈا گیا تھا اور جاتے ہی اس کی شادی کی خبر بھی آ گئی۔ چچا جان نے شرمندگی مٹانے کو اس وقت کہہ دیا کہ شہزاد نہ سہی' وسیم تو ہے' صدف میرے ہی گھر جائے گی۔ امی جان نے آنسو پونچھ لیے اور یہی وہ چاہتے تھے کہ بات آگے نہ بڑھے اور خاندان بھر ان کے خلاف نہ ہو جائے۔ وہ دن اور آج کا دن' پلٹ کے انہوں نے یہ ذکر نہیں چھیڑا۔ امی جان منتظر ہیں اور اپنے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے خود یہ ذکر چھیڑ بھی نہیں سکتیں کہ لوگ کیا کہیں گے' لڑکی اتنی بھاری ہے جو خود آگے بڑھ کے پیش کر رہے ہیں۔ صدف نے بھی اس سلسلے میں ایسی چپ سادھ رکھی ہے۔"

"ایسا کب تک چلے گا؟ پھوپھی اماں کو موتی کی فکر کرنے کے بجائے صدف کے لیے پیش رفت کرنی چاہیے۔ تمہارے چچا سے آس رکھنا فضول ہے۔ انہوں نے کچھ کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے۔"

ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ آخر پھوپھی اماں نے اپنے بھائی کی توجہ موتی کی طرف کرنے کے بجائے صدف کی طرف کیوں نہ دلائی' ابو جان تو جی جان سے راضی ہو جاتے۔

"صدف آپی نے ہی منع کر رکھا ہے۔ وہ چاہتی ہیں۔ موتی کی شادی تک سب میں یہ بات ڈھکی رہے کہ وہ منسوب ہیں' بلکہ آنے والے ہر اچھے پرپوزل کے بارے میں موتی کے حوالے سے سوچا جائے۔ اس کے علاوہ گھریلو حالات بھی انہیں باندھے ہوئے ہیں۔ میں کڑھتا رہتا ہوں یہ سوچ سوچ کر کہ اگر میں کسی قابل ہوتا تو میری بہن ساری فکروں سے آزاد ہو کے آج اپنے گھر بار کی ہوتی۔"

وہ روہانسا ہو گیا تو ابراہیم نے دلاسا دینے کے لیے اس کے شانوں پہ بازو دراز کیا۔

"تم آج' ابھی' اسی وقت سنجیدہ ہونے اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کا وعدہ کرو' میں تمہیں ان پریشانیوں سے کھینچ نکالنے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"کیسے؟"

"بس۔ کچھ دو اور کچھ لو۔ کچھ دو تم میری کرو' کچھ میں تمہارے کام آتا ہوں۔ تم جانتے ہو' یہ بزنس وغیرہ میرے بس کا روگ نہیں۔ میں کری ایٹو مائنڈ (تخلیقی ذہن کا آدمی) ہوں۔ اس فیلڈ سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے حقیقی معنوں میں طمانیت نصیب ہوئی ہے لیکن ابو جان چاہتے ہیں کہ اویس بھائی کے جانے کے بعد میں ان کا بزنس سنبھالوں' جو اب اتنے بوجھ سے تھکنے لگے ہیں۔ بات ان کی بھی ٹھیک ہے۔ سالوں کی محنت کے بعد انہیں کوئی سہارا چاہیے لیکن غلط میں بھی نہیں' جو کام میرے بس کا ہے ہی نہیں اس میں ہاتھ ڈال کے کیوں نہ جانے بزنس کا اور خود اپنا بھی بیڑا غرق کر لوں۔ آخر تم اس مسئلے کا حل کیوں نہیں بن

جاتے۔ ابو جان کسی غیر پہ بھروسا کرنے کو تیار نہیں اس لیے یہ ذمہ داری مجھے سونپنا چاہتے ہیں لیکن تم تو ان کے اپنے ہو۔ تم ایسا کرکے نہ صرف ان کی مشکل آسان کرو گے بلکہ مجھ پر بھی ایک بڑا احسان کرو گے میں ذرا یکسوئی سے اپنا کام کر سکوں گا۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"نہیں... میں بھائی... مگر کیسے؟" وہ ماموں جان سے "وہ بے یقینی کے عالم میں تھا۔

"کرنے والا شکر ادا کریں گے تم ہاں تو بھرو۔" اور اس نے ہاں کیا بھائی تھی "اٹھو" کے ابراہیم کو بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ اس اچانک محبت بھرے مظاہرے پہ بڑبڑا گیا۔ سینے کے اندر تک اتری عجیب سی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پر سکون کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے نیرا سے ملے کئی روز ہو چکے تھے۔ اس گریز کی وجہ وہ الجھن اور جھنجلاہٹ تھی جس نے ابراہیم کے دل ودماغ میں ڈیرے ڈال رکھے تھے "فطرتاً" وہ لاابالی تھا اور عادتاً "ذرا روکھا سا بھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نیرا کی چند روز کی رفاقت اسے سراپا ہی بدل ڈالتی۔ اس میں ابھی اتنا حوصلہ نہ ہوا تھا کہ وہ ابو جان کے فیصلے کو رد کرنے کے بعد مطمئن پھرتا رہتا۔ جب سے وہ گئے تھے ایک بے چینی اور خلش اس کے پیچھے چھوڑ گئے تھے وہ اکثر سوچتا

"کیا اپنی پسند سے شادی کرنا یا کسی ناپسندیدہ ہستی سے شادی کرنے سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم ہے جس کی پاداش میں میرا ضمیر مجھے کچوکے لگا رہا ہے؟"

جواب جیسے نفی میں آتا۔

"پھر کیا ہے... کیا ہے جو میں خود اپنے آپ سے منہ چھپائے پھر رہا ہوں۔ کیوں نہیں ان کے آگے نیرا کا نام لے پایا۔"

اور یہیں آکے وہ ہار جاتا۔ نجانے کیوں نیرا کا نام ان کے سامنے لینے سے وہ ہچکچایا تھا۔ شاید اس کے اندر یہ یقین بھرا خوف پہلے سے موجود تھا کہ نیرا بے شک اتنی حسین ہے "اتنی پرکشش ہے کہ کوئی بھی مرد اس کی قربت چاہے گا "اسے اپنانا چاہے گا لیکن اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ کوئی مرد اسے فخر سے اپنی ماں کے سامنے لے جائے گھر والے اسے اپنے والدین کی مخالفت پہلے ہی سے نظر آرہی تھی۔

"تو تمہیں پہلے نظر نہیں آیا تھا کہ وہ لڑکی تمہارے فیملی سیٹ اپ سے بالکل بھی میچ نہیں کرتی۔" اندر سے سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"عشق بھی بھلا دیکھ بھال کے کیا جاتا ہے۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔

"او ہو... عشق؟ پہلے یہ فیصلہ تو کرلو کہ یہ عشق ہے یا کچھ اور... ایک خوبصورت ماڈرن سی لڑکی کسی پارٹی میں گرم ہو اور وہ تم سے ٹکرا جائے "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور جوانی میں کس کے قدم نہیں بہک جاتے۔ رنگینیاں کسے نہیں بھاتیں۔ تمہیں بھی اپنی شامیں پرلطف لگنے لگیں ایک قاتل ادا حسینہ کو ساتھ لیے پھرنے میں تمہیں بھی مزا آنے لگا اور پھر ایسے میں اگر نہ روک ٹوک ہو نہ پکڑے جانے اور سرزنش کا خوف ہو تو معاملات یوں ہی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں چونکہ فلرٹ بازی اور دھوکا دہی تمہاری عادت ہے نہ ہی ایسا کوئی تجربہ ہے۔ اس لیے تم نے بھی اگلا قدم شادی کا سوچا۔ یہ ایک سیدھی سی سادی سی سائیکلک سی اسٹوری ہے۔ تم اسے خوامخواہ رومانی رنگ دیتے ہوئے ہو۔ اگر ایسا ہی طوفانی عشق اور تم سے ازلی محبت ہے تو فخر سے سر اٹھا کے باپ کے سامنے اس کا نام کیوں نہیں لے لیتے۔ آخر شوقی کے لیے بھی تو تم نے فوراً انکار کر دیا تھا نا... اس لیے کہ تم خود کو اس میں حق بجانب سمجھتے تھے اس لیے بات کرنے سے ہچکچائے اور نہ جھجکے پھر آخر نیرا کے بارے میں آگاہ کرنے سے پہلے تمہارے قدم کیوں لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تمہارے اندر کا وہی روایتی سا شریف سا بندہ خود بھی اسے بطور بیوی تسلیم کرنے سے کترا رہا ہے۔"

"واٹ ربش... کیا برائی ہے اس میں؟" اس

نے اپنے ہی خیالات کو رد کیا۔ "اچھی بھلی لڑکی ہے بس ذرا اس کے اور ہمارے گھرانے کے لائف اسٹائل میں فرق ہے۔"

"ذرا؟" وہ جھینپا لیکن پھر بھی آئینہ دیکھنے سے کتراتا رہا۔ اور یہی گریز اسے کئی روز تک وہاں جانے سے روکتا رہا۔ نیرا کے سوالات اور بھی زچ کر ڈالتے تھے اس کے پاس بھی تو آج کل بس یہی ایک موضوع رہ گیا تھا اور یہی ایک سوال۔

"آخر تم اپنے پیرنٹس سے کب بات کرو گے؟"

لیکن کل فون پہ وہ جو کچھ اسے اکھڑے انداز میں بولی کہ ابراہیم کو اندازہ ہو گیا۔ اب کے یہ ناراضی آسانی سے ختم ہونے والی نہیں۔ اس نے فی الفور وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہاں نیرا نے چھوٹتے ہی کچھ ایسی بات کی کہ وہ دم بخود رہ گیا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ آخر آج بھی اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ کتنے مزے سے اس نے مشورہ دیا تھا۔

"کیوں نہ ہم تمہارے پیرنٹس کے آنے سے پہلے پہلے شادی کر لیں۔"

"کیا؟ شادی کر لیں؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"شادی کا ہی تو کہہ رہی ہوں "خودکشی" کا مشورہ تو نہیں دے دیا۔" وہ اس کے شدید ردعمل سے خائف ہوئے بغیر بگڑ کے بولی۔

"میں اپنے امی ابو کے بغیر ان کی غیر موجودگی میں کیسے تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔"

اس نے نیرا کے بچکانہ رویے کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تحمل سے کام لیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس احمقانہ تجویز کو سنتے ہی یہاں سے نکل جائے۔

"کیوں نہ یہ خرافات تمہارے ذہن میں ڈالیں؟" اسے شک تھا یہ پٹی ساجد آنٹی نے بیٹی کو پڑھائی ہو گی۔

"کیسی خرافات؟ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ میں تمہیں... اگر کوئی تیسرا درمیان میں آرہا ہے تو اسے کک آؤٹ کرو۔"

اس کے "کک آؤٹ" کہنے پہ ابراہیم بھڑک اٹھا۔

"ہانٹلا بور لینگویج نیرا۔" وہ بھی سنبھل گئی۔ ذرا لگاوٹ سے کہنے لگی۔

"دیکھو ابراہیم! تمہارے رویے سے مجھے لگ رہا ہے نہ تو کبھی تم ہمت کر سکو گے ان کے آگے اسٹینڈ لینے کی اور نہ ہی وہ تمہاری مانیں گے۔ اس کا یہی حل ہے کہ ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھائیں اور شادی کر لیں۔"

"نیرا! ایسی شادیاں بابرکت نہیں ہوتیں جس میں بزرگوں کی رضا اور خوشی شامل نہ ہو۔"

"تو میرے ماما پاپا راضی ہیں نا... وہ کروائیں گے یہ شادی اور بلیو می تمہارے پیرنٹس بھی کچھ ہی دنوں میں مان جائیں گے۔"

"وہ مان نہیں جائیں گے بلکہ مجبور ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے... کوئی بیٹا نہیں چاہے گا اس کا باپ اس کے آگے جھکے ٹھیک ہے۔"

"تو پھر تم سرنڈر کرو... یہی کرنا چاہتے ہو؟"

"سرنڈر..." وہ چپ ہو گیا۔ صدف کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔

"عظیم قربانی تو اس بیٹے کی بھی تھی۔ جس نے باپ سے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے سر جھکا کر خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے انہیں محبت کا دعوا کرنے کا حق نہیں..."

وہ چونکا "اندھیرے میں جیسے کسی جگنو نے چمک کے راستہ دکھایا تھا" وہی جگنو سے چند الفاظ پھر کوندے۔

"ایک عزیز شے کو دوسری عزیز ہستی پہ قربان کرنا ہی اصل محبت ہے۔"

اس نے لپک کے ان جگنو الفاظ کو مٹھی میں بھر لیا۔ اب فیصلہ کرنا بہت آسان تھا کہ کون عزیز تر ہے اور کون عزیز... عزیز تر وہ ہستیاں تھیں جن کے اپنے دور ہونے کے بعد وہ ان کی دعاؤں کے سائے خود پہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا جن کا دل دکھانے کی کسک اسے دن رات بے چین کیے رہی تھی اور نیرا... عزیز تر تو کیا وہ تو شاید عزیز بھی نہ تھی محض ایک دل بہلانے

والا خیال جو اس کے اندر کو چھوئے بغیر سرسری سا گزر گیا۔
"تمہارا ایسا نہیں ہو سکتا ابھی نہیں۔"
اس کے الفاظ میں اتنی سختی تھی کہ خود نیرا خاموش ہو گئی۔ اس کے سارے دلائل جو اس نے اسے قائل کرنے کے لیے رٹ رکھے تھے دم سادھ گئے۔ وہ سوچ سوچ کے کمزور ہو گئی تو پہلی بار ابراہیم کے دل کو کچھ کچھ ہوا گزرے گی خوشگوار پل اپنی یادیں ہرانے لگے۔ اس نے بھی زور سے بند کی اور وہاں سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

نجانے کیا وجہ تھی نیرا کو صاف صاف جواب دے دینے کے باوجود وہ مطمئن نہ ہو پا رہا تھا۔ اس نے اسے تو واضح الفاظ میں باور کرا دیا تھا کہ وہ یوں چوری چھپے شادی کر کے اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا لیکن اپنے دل کو تسلی نہ دے پا رہا تھا کہ ابو جان کے آنے کے بعد ان پہ اپنا موقف کیسے واضح کر سکے گا۔

مالک والا مسئلہ تو کچھ حل ہو گیا تھا اب شاید موتی کے سلسلے میں پھوپھی اماں کو ادھر ادھر دیکھنا پڑے لیکن صرف... اگر ابو جان کو اس کا رشتہ ختم ہونے کی خبر ہوئی تو ظاہر ہے وہ اس کی وجہ بھی پوچھنا چاہیں گے اور اس میں اب نیرا کو مزید ناراض کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ ویسے بھی ابو جان کے مقابلے میں نیرا اسے عزیز تر تو کیا عزیز تک نہ لگی تھی اور اس نے محض نیرا کو مطمئن کرنے کے لیے ابو جان کو یہ ذہنی و جذباتی صدمہ گوارا کیا تھا کہ وہ ان کی لاعلمی میں شادی کر کے ایک بار پھر انہیں بھائی والی تکلیف سے دوچار کرے اور ابو جان تو چھوٹے بیٹے کی اس حرکت سے پہلے ہی ٹوٹے سے گئے تھے۔

لیکن... صرف... کم از کم اس کے آگے تو نیرا کی اہمیت زیادہ تھی۔ یہ جو بھی تھا وہی اس لڑکی کے دل میں یہ خیال لانے کا باعث تھا۔ "اگر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" اس نے پورے وثوق سے سوچا۔ "اب اگر اس کا انداز ہی ہولا ہے تو ظاہر ہے وہ محبت بھی اپنے انداز میں کرے گی۔ صرف اتنی سی بات پر اسے... کرنا درست نہیں۔" اس کا دل پھر دلائل دینے لگا۔ وہ گھبرا گیا۔
"اف آخر میں کوئی فیصلہ کر کیوں نہیں لیتا۔"
اس نے گھبرا کے راحیل کے کیبن کا رخ کیا۔ منگنی کے بعد اس کی راحیل سے اچھی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی جس میں کافی عرصے سے رخنہ سا آ گیا تھا۔ وہ خوش مزاج یار باش سا بندہ تھا اسی کی معرفت وہ پہلی بار سارہ آنٹی سے ملا تھا اور ان ہی کے مشورے سے اس نے خود میں اور راحیل میں ذرا فاصلہ رکھنا شروع کر دیا تھا حالانکہ اس پابندی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی لیکن تب وہ نیا نیا سارہ آنٹی کے اثر میں آیا ہوا تھا اور ان کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لیا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں آنٹی کے گریز کی وجہ کوئی خاندانی تنازعہ ہو گا اور اس نے ان کی ناپسندیدگی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بخود راحیل سے کم ربط رکھنا شروع کر دیا لیکن اس کو مگو کیفیت میں اسے شدت سے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔
انگلی تھام کے چلنا سکھانے والا باپ بھی ہزاروں میل دور تھا اور وہاں پروان چڑھ کے پھوٹنے والی محبت یہاں بھی... جس سے دل کا رشتہ جوڑنا چاہا وہ خود ہی الجھنیں بڑھانے کا باعث بن رہی تھی۔ ایسے میں اسے اپنی زندگی میں کسی پرخلوص دوست کی کمی بے حد محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار راحیل کی طرف بڑھ گیا لیکن کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اس سے سارہ آنٹی کا ذکر چھیڑ بیٹھا تو کچھ غلط نہ کیا۔ جبکہ وہ نہ جانتا تھا کہ راحیل کا ان سے رشتہ کیا ہے۔ "اچھا؟" اس نے خود ہی اپنے چھوٹے بھائی کی منگنی کا ذکر شروع کر دیا۔
"ہمارے ہاں خاندان میں ہی رشتے کرنے کا رواج ہے۔ میری شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی اور اب... کی منگنی پھوپھو کے ہاں کر رہے ہیں۔ تم ضرور آنا... کیسے کیسے جاتے ہی نہیں ہو۔"

"تمہاری پھوپھو تھے شاید میں ان سے ملا ہوں۔ ایک بار تمہارے کیبن میں ملاقات ہوئی تھی۔ ... یاد ہے... یا شاید سارہ آنٹی نے تعارف کرایا تھا نا..." اس نے سرسری سا کہتے ہوئے اگلوانا چاہا۔
"کون سے؟ وہ سارہ آنٹی... تو میری پھوپھو ہیں۔" وہ اچھل کے بیٹھ گیا اور کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔ ابراہیم حقیقتاً متعجب ہوا۔
"تم خود ہی تو انہیں آنٹی کہہ رہے تھے آخر کس رشتے سے وہ تمہاری آنٹی لگتی ہیں؟"
"ارے کمال ہے مجھے اسے دیکھ کے بھی اندازہ نہیں ہوا؟ وہ خالہ، چچی، ممانی اور پھوپھی والی آنٹی نہیں بلکہ 'وہ' والی آنٹی ہے۔ کیا کچھ سمجھے ہو؟"
"وہ والی؟" وہ کچھ بھی نہ سمجھنے کے انداز میں بولا کے رہ گیا۔
"ہاں یار 'وہ' والی آنٹی جو ہمیشہ ساری خوبصورت لڑکیوں کی آنٹی ہونے کی وجہ سے خود بخود ہی سب کی آنٹی جان بن جاتی ہے۔"
"واٹ؟" اسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔ یہ تلخ حقیقت تو اس کے گمان سے بھی باہر تھی۔ نیرا کا معصوم و دلکش چہرہ تصور میں آ کے اسے بہکانے لگا اور دل راحیل کی باتوں پہ ایمان لانے سے انکاری ہو گیا۔
"تم تو ایسے اچھل رہے ہو جیسے پہلی بار ایسی بات سنی ہو۔ ارے اس پوزیشن میں آنے کے بعد تو ایسے تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ کبھی پوری سوسائٹی عریاں ہو کے سامنے آ جاتی ہے۔ عجیب سمجھاتی ہو تم کہ پہلی نظر میں اس عورت کی اصلیت نہ پہچان سکے۔"
"میں نے اسے محفل کی نظر سے جانا ہی کب تھا۔ نیرا نے آنٹی کہہ کے تعارف کروایا اور میں بس اس سے... ابراہیم کی وجہ سے کچھ سوچ بھی نہ سکا۔"
وہ آہستگی سے بولا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اپنے پروفیشن کے لحاظ سے وہ واقعی ایک جینئس بندہ تھا لیکن عام زندگی میں ہر بات کو ہر چیز کو سطحی انداز میں لینے والا۔ تہہ تک پہنچنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ آنٹی اور نیرا کے کھلے ڈلے لائف اسٹائل اور مغربی پہناووں کو ان کی سوسائٹی کے تقاضے سمجھا۔ اب خیال آ رہا تھا کہ وہ کوئی اتنے اپر کلاس سے بھی تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ کسی لحاظ سے مڈل کلاس ہی کہلائے جا سکتے تھے۔ پھر یہ فارن ریٹرن اور ہائی کلاس سوسائٹی جیسے طور طریقے رکھنے کا مطلب؟
"تم بھی اس بھولے یار شادی ہو جانا۔ نجانے اتنے سال لاہور میں کیا کرتے رہے۔ وہاں تو ایسی آنٹیاں

دھڑلے سے شریفوں کے محلے میں رہتی ہیں۔ اب ان شہروں میں بھی یہ رجحان ہو گیا ہے۔ بدنام بازاروں کی رہائش اس لیے ترک کر دی ہے کہ وہاں تھرڈ کلاس اور اوباش لوگ آتے ہیں۔ کوٹھوں کے بجائے کوٹھیوں میں آنے کا یہ فائدہ ہے کہ صاف ستھرے کریم کلاس کے بزنس مین آتے ہیں۔ لوگوں میں آزادی سے اٹھ بیٹھ بھی سکتے ہیں۔ اب اس آنٹی کو ہی دیکھو، پہلی شادی کسی زمیندار سے کی۔ طلاق اور دو بچوں کو لے کر پھر اس محلے میں نہیں گئی۔ ایک شریف بندہ پھنسایا، نکاح کا ٹیگ لگایا اور جاننے والیوں کی مدد سے یہ کام ذرا الگ ڈھنگ سے شروع کر دیا۔ وہ مجرے، محفلیں، ٹھمریاں سب گئے دور کی باتیں ہیں۔ میری جان! آج کے امیر زادے کچھ اور مانگتے ہیں۔ انہیں امراؤ جان ادا نہیں بلکہ "ماڈرن روح" چاہیے۔ اس نے بھی بیٹیاں بچے اپنے دھندے سے ہی لگائیں لیکن کالج بھیجنے کے بعد یعنی ہر طرح کے کس بل نکالنے سے لیس کر کے۔"

"بیٹیاں؟ اپنی بیٹیاں بھی؟ تم تو کہہ رہے تھے جاننے والیاں؟"

اس نے بڑی آس سے پوچھا۔ یہ خیال ہی تکلیف دہ تھا کہ اتنا عرصہ وہ کسی ایسی لڑکی سے منسلک رہا اور پھر خود بے خبر بھی رہا۔

"ہاں، آنٹی اولاد کے معاملے میں ذرا اصول الگ رکھے ان میڈم نے۔ انہیں ایسے کسی کام سے نہیں لگایا جس میں رسک اور بدنامی زیادہ ہو۔ اور تو اور اس نے بیٹے کے دام بھی کھرے کیے، ماضی کی مقبول ماڈل گرل اور اب کی نامور فیشن ڈیزائنر Pet کا Pet سمجھے جانے والا شوہر۔ بڑی بیٹی میر ملک کے ایک بڑے سیاستدان سے بیاہ دی اب وہ چاہے اس کے پاس ہو نہ ہو محمودہ تو نہیں ہے... یہ تو قسمت ہے یہ کوٹھی جس میں اب رہ رہے ہیں اسی خان صاحب کی عنایت کردہ ہے۔ ابھی کافی کچھ ہے بڈھے کے پاس اس لیے گھر بسا ہوا ہے ورنہ چھوٹی لڑکی نیرا تو اٹھ کر ... میں سب سمیٹ کے آتی تھی۔"

"کیا؟" وہ لرز گیا۔

"ہاں اور آنٹی صاحبہ بھی اس روز اسی سلسلے میں وہاں موجود تھیں۔ نواز شیخ کو جانتے ہو۔ پچھلے سال اسی سے نکاح ہوا تھا محترمہ نیرا کا۔ اصلیت جلد کھل گئی۔ اس لیے زیادہ عرصہ نبھ نہ سکی، بے چاری جتنا بٹور سکی اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بھاگ گئی۔ نواز نے کیس پریس کانفرنس کے ذریعے کچا چٹھا کھولنے کی کوشش کی تو آنٹی صاحبہ بیچ میں آ گئیں، ابھی آفس میں تصفیہ ہوا تھا۔"

"تو وہ شادی شدہ..." وہ پوچھتے پوچھتے رک گیا۔ اپنا ہی بھرم کھو دینے کا ڈر تھا۔ اسے نیرا اور آنٹی کے وہ تمام رنگ ڈھنگ اور ناز و انداز یاد آ گئے، جن کی بدصورتیوں سے اس نے اب تک آنکھیں چرا رکھی تھیں۔ وہ اکثر رات کو جب گھر پہنچا تو بھانت بھانت کی لڑکیاں پہلے جمع ہوتیں، بھڑکیلے ملبوسات اور شوخ میک اپ کے ساتھ۔ اس کے ایک بار کے استفسار کرنے پر آنٹی نے وضاحت کی تھی کہ وہ فارغ وقت میں لڑکیوں کو مختلف علوم کی ٹریننگ وغیرہ دیتی ہیں۔ وہ اس ٹریننگ کو کوکنگ، بیکنگ، ڈریس ڈیزائننگ، پینٹنگ اور میک وغیرہ کے کورسز ہی سمجھتا رہا۔ اپنی دھن میں یہ تک غور نہ کیا کہ آنے والی لڑکیاں ماشاءاللہ سے خود خاصی "تربیت یافتہ" لگتی ہیں۔

اور وہ اکثر و بیشتر نیرا کا یا آنٹی کا اس سے بے تکلفی سے رقم مانگ لینا... نیرا کا آئے دن اس سے شاپنگ کروانا۔ سب اس پہ واضح ہونے لگا۔

وہ خاموشی سے راحیل کے پاس سے اٹھ آیا۔ اسے خود پہ غصہ آ رہا تھا اور شرم بھی محسوس ہو رہی تھی کہ کیسے وہ ایک بازاری عورت کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ یہ بات ابھی تک اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ آخر آنٹی اور ان کی بیٹی کی نظر عنایت اس پہ ہی کیوں تھی۔ شہر کے رئیس اور سیٹھ کیا سب ختم ہو گئے تھے یا سب نیرا کے آزمائے ہوئے تھے، پھر

اس کی صاف گوئی، سادہ لوحی یا صاف لفظوں میں کم عمری نے اکثر ان دونوں کو بھلایا تھا کہ وہ اس عام سے درجے کے بھولے لڑکے کے لیے منتخب کر بیٹھیں... بہت سوچ سوچ کر یہی بات دماغ میں آئی کہ ایک شادی کے بعد نیرا کا بھانڈا پھوٹ گیا ہو گا اور شہر میں نیا نیا آنے کی وجہ سے اس کا ان کی اصلیت جان لینے کا اندیشہ کم سے کم ہو گا اس لیے... اس نے سچائی سے اپنا احتساب کیا۔

"سچ ہی تو سوچا تھا نیرا نے، واقعی مجھ سے زیادہ احمق اسے اور کوئی کیا ملتا جو بیٹھے بٹھائے" جانتے بوجھتے انجان بنا رہا۔ میں تو خاموشی سے اپنا آپ برباد کرنے جا رہا تھا۔" اتنا گم ہو چکا تھا اس کی ذات کی ظاہری رنگینیوں میں کہ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت ہی ماؤف ہو کے رہ گئی تھی۔ چکا چوند نے آنکھیں اتنی چندھیا دیں کہ کوئی روشنی بھلائی نہ دے رہی تھی۔ وہ تو اگر ابو جان اگر وہ حماقت کرتے تو میں یونہی گمن رہتا۔" ان کی بات نے ایسا چونکایا کہ میں اس گروپ پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

اور تب... پھر صدف کے وہ الفاظ... سچ تو یہ ہے کہ ان الفاظ نے ہی مجھے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اگر وہ الفاظ... قربانی اور باپ بیٹے کی محبت کا وہ لازوال فلسفہ میرے اندر نئے معنی نہ جگاتا تو نیرا کی تجویز مجھے اتنی ناقابل عمل نہ لگتی اور شاید میں بھی ابو جان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانے کا سوچتے ہوئے اس دلفریب جال میں پھنس چکا ہوتا لیکن یہ تب کی بات تھی۔ تب کی... جب میں سر سے پیر تک نشے میں مدہوش تھا۔ اب میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں... مجھے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے کسی نہ کسی وسیلے سے مجھے سنبھلنے کا موقع دیا۔"

☆ ☆ ☆

"عاطف! تم یہ منڈی کا پیالہ پکڑے میں ذرا یہ لا "راجہ" کے گلے میں ڈالتا ہوں۔"

ابراہیم نے رنگین پھندنوں اور نقرئی گھنٹیوں سے سجا ہار بکرے کے گلے سے پھنسا کے گزارنے کی کوشش کی۔

"بھائی! یہ منڈی نہیں لگوا رہا، کٹھوڑی ہے نا، اس لیے ہاتھ لگتے ہی بدک جاتا ہے۔ قربانی ہی نہیں بن رہا۔" عاطف نے ہانک دی۔

"تو تم یہ جلیبیاں مت بناؤ یار! بس چاند بناؤ اور ستارے۔"

"ہاں... سو تو مجھے بہت آسان ہے۔" وہ جھینپ کے بولا۔

"آپی! مجھے یقین ہو گیا وہ جو افسانوں میں لکھتے ہیں نا کہ محبت خود بخود اپنا رستہ بنا لیتی ہے اور وہ جو کہتے ہوتے ہیں پیار کیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے، دل کھو نہیں جاتا کھو جاتا ہے... سب سچ ہوتے ہیں۔"

موتی کے لرا لرا کے گنگنانے پہ سب چونک کے اسے دیکھنے لگے۔ عاطف کے چہرے پہ خوش فہمی تھی تو صدف اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے موتی کا دماغ چل گیا ہو جبکہ ابراہیم اس خوف سے حیرت زدہ ہو گیا کہ کہیں اسے اصل بات کا پتا تو نہیں چل گیا۔

"دیکھیں نا آپی! ابراہیم بھائی تو راجہ سے اتنا چڑتے تھے اب یہ ایک دم اس سے اتنا پیار کرنے لگ گئے۔ کبھی اس کے آگے پیچھے "ڈول" رہے ہیں۔ کبھی دانہ کھلا رہے ہیں، صبح خود نہلایا اور اب میک اپ بھی کر رہے ہیں۔"

اس کی بات پہ عاطف کے چہرے کی خوش فہمی نے منہ بنایا تو ابراہیم نے بھی شکر ادا کیا کہ موتی محبت تک پہنچی مگر صرف راجہ کی۔

"بات یہ ہے موتی! اگر پیار واقعی کیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے لیکن بلاوجہ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ، کوئی نہ کوئی محرک اس جذبے کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ کبھی انسیت، کبھی قربت، کبھی کشش، کبھی خوبصورتی، کبھی دوستی اور کبھی کبھی احسان مندی... کبھی کوئی ہستی بغیر جتائے آپ پہ اتنا بڑا احسان کر جاتی ہے کہ آپ کا بس نہیں چلتا کہ شکر گزاری کے احساس سے مغلوب ہو کے اپنی قیمتی ترین متاع اس پہ وار دیں۔ اور دل سے زیادہ قیمتی تو

اور کون سی ہے۔"

"تو آپ نے بکرے کو اپنا دل دے دیا ہے؟" موتی کے حیرت سے چلانے پہ وہ سر جھٹک کے ہنس پڑا۔ عاکف اور صدف بھی حیرت سے اسے تک رہے تھے۔

"لیکن یہ راجہ آپ کا محسن کیسے ہوا؟" عاکف کے سوال پہ اس نے لب دبا کے کچھ سوچا پھر صدف کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بس کسی نے بتا دیا' نہ نہ...... اب یہ مت پوچھنا "کسی کون؟"" اس نے ہار راجہ کے گلے میں پہنا ہی دیا۔

"واہ راجہ کے کیسے لاڈ اٹھائے جا رہے ہیں' کل عید ہے۔ چچی جان نہیں ہیں تو کسی نے یہ تک نہیں پوچھا۔ موتی تمہیں چوڑیاں اور مہندی چاہیے' عید کا جوڑا سلوا لیا؟" اسے بہانا مل گیا پھوپھی اماں کو یاد کر کے رونے کا۔ صدف نے اسے گلے لگا لیا۔

"پاگل' امی کب تم سے یہ پوچھتی تھیں' بس عید والے دن تمہارا جوڑا' تمہاری پسند کی سب چیزوں کے ساتھ تمہیں دے دیتی تھیں۔ میں نے بھی یہی سوچ رکھا تھا' تمہارا خوبصورت سا سوٹ تیار ہے۔ جاؤ اکو کے ساتھ جا کے میچنگ کی چوڑیاں لے آؤ۔"

"اور سُرمے بھی...... پیر کی پازیب بھی...... اور ہاں' وہ نئے شیڈ کی نیل پالش۔" دونوں ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ لسٹ گنوانے لگی۔

"یہ تمہاری نہیں راجہ کی عید ہے۔ قربانی اس کی ہو رہی ہے تمہاری نہیں۔ اس عید کا اصل ہیرو بکرا ہوتا ہے سارے سجنے سنورنے کا حق صرف اسے ہے۔" اکو نے چڑا دیا۔ وہ اس سے الجھنے لگی۔

ابراہیم نے کن اکھیوں سے چاول چنتی صدف کو دیکھا۔ موتی اور عاکف کے کھٹے میٹھے جملے سنتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"اصل محسن تو تم ہو میری۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"میں جان گیا ہوں کہ مجھے سنبھالا دینے میں سب سے اہم کردار تمہارے ان الفاظ نے کیا تھا۔ تم تو شاید جانتی بھی نہ ہو گی تمہاری اس دن کی کسی عام سی بات نے کس کس طرح مجھے سہارا دیا۔ ورنہ میں تو بالکل بے دست و پا ہو چکا تھا۔ ظاہری کشش اور وقتی پسندیدگی کو عشق سمجھ بیٹھا تھا۔

عشق تو اکو نے کیا تھا' موتی کو برسوں سے بے انتہا چاہنے کے باوجود اس کا دل خود غرضی پہ آمادہ نہ ہوا' خود کو نامراد ٹھہرائے جانا منظور تھا اسے لیکن اس کے لیے ہمیشہ بہتر سے بہترین کی آرزو کی۔

پھوپھی اماں کی محبت کتنی سچی اور بے غرض تھی' اپنی اولاد کے لیے خودداری سے کام لینا تو گوارا تھا لیکن پرائی امانت کو کس عقیدت سے سینچا کہ ساری عمر بھلائی سے کچھ نہ لینے والی۔ بس اس کے لیے مدد مانگ ہی بیٹھی۔

اور صدف...... قربانی تو وہ ہے جو اس نے دی' اپنی ذات پہ اس نام نہاد منگنی کا ٹیگ لگائے رکھنا صرف اس لیے گوارا کیا کہ کہیں موتی کے لیے آنے والا کوئی رشتہ اس کا طلب گار نہ ہو جائے...... اس محبتوں سے گندھے گھرنے' اس مہکی فضا نے میرے اندر سے سارے اندھیرے دور کر دیے۔

کیا مجھے اس روشنی سے دور جانا چاہیے۔" اس نے خود سے سوال کیا اور جواب ملا۔

"نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس جگنو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا ہم سفر کر لو تاکہ بھٹکنے کا کھونے کا کوئی ڈر ہی نہ رہے۔"

اس نے فیصلہ کر لیا اور سرشار سا ہو کے ابو جان کا انتظار کرنے لگا جو جاتے جاتے اس پہ ایک بار ڈال گئے تھے یہ کہتے ہوئے

"ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں۔ دوسرے فرض کی ادائیگی تم پہ قرض ہے۔"

اور وہ یہ قرض بمعہ سود انہیں لوٹانے کا شدت سے منتظر تھا۔